سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

《اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوْبِقَاتِ 》 قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا هُنَّ؟ قَالَ: 《اَلشِّرْكُ بِاللّٰهِ، وَالسِّحْرُ وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ، وَأَكْلُ الرِّبَا، وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيْمِ، وَالتَّوَلِّیْ يَوْمَ الزَّحْفِ وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغَافِلَاتِ 》

[بخاری، رقم الحدیث: ۲۷٦٦، مسلم، رقم الحدیث: ۸۹]

''سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کون سی ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

① ...... اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، ② ...... جادو کرنا ③ ...... ناحق کسی ایسی جان کو قتل کرنا جس کو اللہ نے حرام کیا ہے۔ ④ ......سود کھانا، ⑤ یتیم کا مال کھانا، ⑥ کافروں سے لڑائی کے وقت پیٹھ پھیر کر بھاگ جانا، اور ⑦ ...... بھولی بھالی پاک دامن ایمان دار عورتوں پر تہمت لگانا۔''

نفع مند تجارت ❷

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں اپنے بندے کے اس یقین کے مطابق ہوں جو میری بابت اچھا گمان رکھتا ہے۔ اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے اگر وہ یاد کرے اپنے دل میں تو میں بھی اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ مجھے کسی محفل میں یاد کرتا ہے تو میں ایسی محفل میں یاد کرتا ہوں جو ان سے زیادہ بہتر ہے۔ [بخاری، رقم: ۷۴۰۵]

اطمینانِ قلب: ذکرالٰہی ہی سے انسان کا دل مطمئن اور سکون حاصل کرسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴾ [الرعد: ۲۸]

''جولوگ ایمان لائے ان کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان حاصل کرتے ہیں۔ یاد رکھو اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔''

اسی لیے آج ہر مسلمان پریشانی اور غم میں ڈوبے ہوتے ہیں تو ان کے لیے صرف ایک ہی علاج ہے وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا ہے۔

ذکرالٰہی کی فضیلت احادیث کی روشنی میں: حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرِ اَعْمَالِكُمْ وَاَزْكَاهَا عِنْدَ مَلِيْكِكُمْ وَاَرْفَعِهَا فِيْ دَرَجَاتِكُمْ وَخَيْرٍ لَكُمْ مِنْ إِنْفَاقِ الذَّهَبِ وَالْوَرِقِ وَخَيْرٍ لَكُمْ مِنْ اَنْ تَلْقَوْا عَدُوَّكُمْ فَتَضْرِبُوْا اَعْنَاقَهُمْ وَيَضْرِبُوْا اَعْنَاقَكُمْ؟ قَالُوْا: بَلٰى قَالَ: ((ذِكْرُ اللّٰهِ تَعَالٰى))

''کیا میں تمھیں ایسے عمل کی خبر نہ دوں جو تمہارے اعمال میں سب سے بہتر اور تمہارے آقا و مولیٰ کے ہاں سب سے زیادہ پاکیزہ اور تمہارے درجات سب سے زیادہ بلند کرنے والا، تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے کہ تم (اللہ کی راہ) میں سونا چاندی خرچ کرنے سے اور اس سے بھی بہتر ہے کہ تم اپنے دشمن سے مقابلہ کرو اور تم ان کی گردنیں مارو اور وہ تمہاری گردنیں ماریں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کیوں نہیں ضرور بتلایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ عمل اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔'' [ترمذی، رقم: ۳۳۷۷]

فوائد: اس حدیث میں بھی ذکرالٰہی کی خوب فضیلت بیان کی گئی ہے۔ کیوں کہ ہر عمل خیر کی بنیاد اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ اس کے بغیر بڑے سے بڑا عمل بے کار ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کا ذکر سب سے اعلیٰ وارفع اور افضل ہے۔ اور مختصراً چند فوائد یہ ہیں: ① مالوں کو اللہ کے راہ میں خرچ کرنا، ② اونٹ کے اوپر بیٹھ کر اللہ کی راہ میں نکلنا، ③ اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکل کر تلوار کے ساتھ دشمنوں پر حملہ کرنا۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

" سَبَقَ الْمُفَرِّدُوْنَ، قَالُوْا: وَمَا الْمُفَرِّدُوْنَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ اَلذّٰكِرُوْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَالذّٰكِرَاتِ۔" [مسلم، رقم: ٢٦٧٦]

''مفردون سبقت لے گئے صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا اے اللہ کے رسول ﷺ مفردون کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کو بہت زیادہ یاد کرنے والے مرد اور بہت زیادہ یاد کرنے والی عورتیں۔''

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جو اللہ تعالیٰ کو یاد کرے گا وہ تمام انسانوں سے سبقت لے گیا اور یہی لوگ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت مقام ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

" إِنَّ اللّٰهَ لَيَرْضٰى عَنِ الْعَبْدِ أَنْ يَّأْكُلَ الْأَكْلَةَ فَيَحْمَدَهُ عَلَيْهَا۔ أَوْ يَشْرَبَ الشَّرْبَةَ فَيَحْمَدَهُ عَلَيْهَا۔"[مسلم، رقم: ٢٧٣٤]

''بے شک اللہ تعالیٰ بندے کی اس ادا پر خوش ہوتا ہے کہ وہ کھانا کھائے یا پانی پیئے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد و تعریف کرے۔''

فوائد: اس حدیث میں یہ واضح کر دیا گیا کہ جب انسان کسی کام یا اپنی کسی ضرورت سے فارغ ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس انسان پر بہت زیادہ خوش ہوتا ہے۔ لہٰذا ہم سب کو چاہیے جب بھی کوئی کام کریں اللہ تعالیٰ کو ضرور یاد کیا کریں۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا، اٹھتے بیٹھتے اللہ کے ذکر میں مشغول رہنا اور اپنی زبان کو تر رکھنا چاہیے۔ یہی آپ ﷺ کا مقصود اور عمل تھا۔

[عبدالرحیم بلتستانی]

فہرست

توبہ اور عمل صالح نجات کا سبب ہیں

﴿ وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی ﴾ [طٰهٰ:۲۰/۸۲]

''اور میں اس شخص کو بالکل معاف کر دیتا ہوں جو توبہ کرے، ایمان دار ہو جائے، اچھے اعمال اپنائے پھر وہ ہدایت یافتہ ہو جائے۔''

اعمال ہی معیار خیر اور شر ہیں

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کسی شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اچھا آدمی کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا:

مَنْ طَالَ عُمُرُهٗ وَحَسُنَ عَمَلُهٗ۔

''جس کو لمبی عمر اور نیک اعمال کی توفیق نصیب ہو۔''

اس نے پھر پوچھا اور برا آدمی کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا:

مَنْ طَالَ عُمُرُهٗ وَ سَاءَ عَمَلُهٗ۔

''جس کو عمر تو لمبی ملے مگر اس کو نیک عمل کی توفیق نصیب نہ ہو۔'' [ترمذی: ۲۳۳۰ فی الزهد وقال حسن صحیح]

کتے اور گدھے کی آواز سن کر کیا کہے؟

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا سَمِعْتُمْ نُبَاحَ الْكِلَابِ وَنَهِيْقَ الْحَمِيْرِ بِاللَّيْلِ فَتَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهُنَّ يَرَيْنَ مَالَا تَرَوْنَ۔

[ابوداود: ۵۱۰۲]

''جب تم کتوں کے بھونکنے اور گدھوں کے رینکنے کی آوازرات کو سنو تو شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ حاصل کرو (یعنی اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھو) کیوں کہ انھیں وہ کچھ نظر آتا ہے جو تمھیں نظر نہیں آتا۔''

''پیامِ محبت''

اداریہ

حافظ احمد شاکر

یہ تذکرہ فکرمندی یا شکوہ اب زبان زدعام ہورہا ہے کہ ہمارے صدر جب سے کرسی صدارت پر صدرنشین ہوئے ہیں ان کی آنیاں جانیاں ختم نہیں ہورہیں۔ جب کہ پارلیمانی نظام کے حامل دوسرے ملک کے صدور بہت ہی کم اپنے وطن سے غیر حاضر رہتے ہیں۔ دور نہ جائیں اپنے پڑوسی اور ''مشترک دشمن'' رکھنے والے بھارت ہی کو لے لیجئے کہ بھارتی صدر کا بہت ہی کم کسی غیر ملکی دورے پر جانا سننے اور پڑھنے میں آیا ہے کہ صدر کا منصب جتنا بڑا ہے اتنی ہی بڑی ذمہ داری بھی ہے کہ ملک میں ہونے والے ہر واقعے اور ہر بات کا صدر مملکت ہی مسئول ہوتا ہے۔ جناب صدر یا تو ابھی تک گنبد اقتدار سے آنے والی ''سب اچھا'' کی صدا سے مطمئن ہو جاتے ہیں۔ یا پھر نظم مملکت اصل میں صدارتی ہے اور جمہوریت کا لفظ صرف عوام کو بہلانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ یا پھر وزیر اعظم اور جناب صدر کے درمیان اعتماد کی اس فضا کا فقدان ہے پارلیمانی نظم جس کا تقاضا کرتا ہے یا پھر وزیر اعظم کی مطلوبہ اہلیت پر سوالیہ نشان؟ یا جناب صدر ہر ڈیل بنفس نفیس کرنا چاہتے ہیں یا پھر نگر نگر کا شوق سیاحت ان کو بے چین کئے رکھتا ہے۔ مذکورہ بالا تخیلات میں سے نہ جانے کیا حقیقت ہے اور کیا گمان، اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ **واللہ علیم بذات الصدور**

ممبئی میں دہشت گردوں نے حملے ابھی شروع ہی کئے تھے کہ بھارتی میڈیا نے پاکستان کو اس یقین سے ذمہ دار ٹھہرانا شروع کر دیا جیسے یہ سب بھارتی حکومت کے مشورے سے کیے گئے ہوں۔ واقعات کی رفتار اور ان کی رپورٹنگ اگر چہ چغلی تو یہی کھا رہی تھی کہ ہوا سب کچھ بھارتی حکومت کے مشورے بلکہ اس کی حسب ہدایت ہی ہوا ہوگا لیکن مشورہ لینے والے پاکستانی نہیں بلکہ اس کی اپنی ایجنسیوں کے آدمی ہی تھے جبھی تو ادھر حملہ ہوا ادھر ٹھک سے پاکستان کے اداروں اور آخر میں پاکستان کی بعض تبلیغی اور رفاہی جماعتوں کا نام لیا جانے لگا ''ملزمان'' مارے بھی گئے گرفتار بھی کر لیے گئے۔ اس حادثے کے ''عینی شاہدین'' بھی میڈیا میں آکر پہلے ملزمان پہچاننے کا اعلان واقرار اور بعد میں انکار کرتے رہے بھارتی حکومت نے فوراً تمام مذاکرات، رابطے وغیرہ سب ختم کر دیے اور ہماری حکومت بھارتی الزامات کی تردید کرنے کی بجائے بھارتی حکومت کو صفائیاں دینے، یقین دہانیاں کرانے بلکہ اس کے آگے منمنانے لگ گئی لیکن بنیے نے رام رام کر کے ہاتھ میں جب چھری پکڑی اور آتش انتقام میں حواس باختہ ہو کر اس نے لاہور میں سری لنکن ٹیم پر دہشت گردانہ حملہ، مناواں ٹریننگ سنٹر پر خودکش حملہ، لاہور میں 15 کے دفتر پر خودکش حملہ اور اب جامعہ نعیمیہ پر خودکش حملہ۔ ان پے در پے دہشت گردانہ کاروائیوں کے بعد بھارتی نیتاؤں کے دماغ میں پاکستان کی محبت بڑی شدت سے تلملانے لگی اور اب پاکستانی حکومت سے حسب سابق بے معنی مذاکرات کا درد ان کے دل میں طوفان مچائے ہوئے ہے جس کے جواب میں صدر پاکستان کا جذبہ خیر سگالی ابل کر کناروں سے باہر آ گیا اور وہ منموہن سنگھ کو دہشت گردی میں پاکستان اور بھارت کا دشمن مشترک...... یعنی ایک...... ہونے کا ''پیام محبت'' دیتے نظر آئے، سبحان اللہ! کیا جذبۂ خیر سگالی ہے اس ملک کے ساتھ جو اس خطے میں ہم پر تھانیدار بننے کی خواہش پالتا رہا وہ خطۂ پاک میں خوں ریزی کے خواہش مند طاغوت کو ہلہ شیری دیتا اور طاغوت کو سہولتیں دینے میں اس نے ہمیشہ فراخ دلی کا مظاہرہ کیا نیز حکمت عملی سے لیکر افرادی قوت دینے تک اس نے تعاون دیا، اس ملک کے وزیر اعظم کو ہمارے صدر دشمن مشترکہ ہونے کا سندیسہ دے رہے ہیں۔

ذہن سازی یعنی ملکی مفادات کو غالب رکھتے ہوئے اڑوس پڑوس کے ممالک...... خصوصاً اور دیگر ممالک سے عموماً تعلقات...... سے عوام کو باخبر رکھنا حکومت کی بنیادی ذمہ داری ہوتی ہے اور اسی خارجہ پالیسی کو کامیاب سمجھا اور کہا جاتا ہے جس میں اپنے ملک کے مقاصد اور مفادات اور ساتھ ہی عوام کے

مفادات متاثر اور جذبات مجروح نہ ہوں۔وطن عزیز کو چونکہ نظریاتی مملکت بلکہ اسلامی نظریاتی مملکت کہا جاتا ہے اس لیے نظریاتی مقاصد ومفادات کو راجح اور ملحوظ رکھنا بڑی نازک اور اہم ذمہ داری ہوتی ہے۔

ایران، افغانستان اور بھارت وطن عزیز کے تین پڑوسی ہیں۔ایران سے وجہ قرب بنیادی طور پر اسلامی برادری تھی اور ہے ماضی میں دوسری وجہ قرب ایران سے سیاسی ہم زلفی یعنی امریکہ کی طرف جھکاؤ تھا سقوط ڈھاکہ سے وابستہ بہت سے ناگفتنی حقائق تاریخ نے محفوظ کر لیے ہیں جنہیں دہرانے کی نہ ضرورت ہے اور نہ فائدہ کہ اب ایران کی بساط سیاست 71ء سے بالکل مختلف ہو چکی ہے کہ اہل ایران نے اپنے فکر کی نمو کر کے امریکہ کی غلامی کا طوق گلے سے اتار پھینکا ہے اور ہم ہیں کہ نہ صرف ابھی تک اسی کھونٹے میں بندھے ہوئے ہیں بلکہ کھونٹے کی گرہیں اور مضبوط کر لی ہیں۔افغانستان ہمارا مسلم برادر پڑوسی ہے ان سے فاصلے پاٹنے کا سہرا بھٹو مرحوم کے سر ہے جس کی ضیاء الحق مرحوم نے مزید نمو کی بلکہ اہل پاکستان نے افغان مسلمان بھائیوں کے ساتھ شانہ بشانہ لڑ کر روسی ریچھ کو مار بھگایا جس سے اہل افغانستان اور پاکستان یک جان دو قالب کی تصویر بن رہے تھے کہ طاغوت نے دونوں ممالک میں مہرے تلاش کر کے ضیاء الحق کی اسلامی بلاک کی خواہش ہی کو ملیامیٹ نہیں کیا بلکہ پہلے افغانستان اور اب خاکم بدہن پاکستان کو آگ اور خون مین نہلایا جا رہا ہے (عافانا اللہ منہ) اور امریکہ ان افغانوں کے گلے میں طوق غلامی ڈالنے کی ناکام کوشش کر رہا ہے جن کو آج تک کوئی غلام نہ بنا سکا ہاں بغض مسلم میں گندھے ہوئے بھارت اور اسرائیل کی افرادی قوت کے توسط سے جرائم پیشہ افراد کے ذریعہ امریکہ نے افغانستان میں اب تک کہرام مچا رکھا ہے۔

تیسرا پڑوسی بھارت ہے جس کی نہ مسلم دشمنی ڈھکی چھپی ہے اور نہ پاکستان سے اس کی حریفانہ بلکہ حریصانہ......یعنی خطہ میں برتر ہو جانے کی...... چشمک عالمی سیاست پر نظر رکھنے والے اصحاب بصیرت سے اوجھل ہے۔بھارت سے جس طرح ایوب خان نے آنکھیں چار کی تھیں اور اس کے بعد مرحوم ضیاء الحق نے ''دشمن سے جنگ دشمن کی سرزمین پر'' کا جنگی اصول اپنا کر جس طرح بھارت کے ساتھ نپٹا تھا اس کی مثال نہ کوئی اس سے پہلے تھی اور نہ اب تک اس کے بعد سامنے آئی کہ وہ صرف پہلا اور آخری وقت تھا کہ پاک کرنسی بھارت کو پھلانگ گئی تھی۔

ضیاء الحق مرحوم کے بعد میاں نواز شریف ایٹمی دھماکہ کر کے وطن عزیز کو وکٹری سٹینڈ تک لے تو گئے تھے لیکن معلوم یہ ہوتا ہے کہ میاں صاحب کو بنیا مایا کا لشکارا دکھا کر ان کے بھارت مخالف جذبات پلپلا کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا میاں صاحب کی پالیسیوں کی کامیابی کے اگر کوئی دوررس ثمرات......جیسے ان کے متوالے کہتے رہے......کے امکانات اگر ہوں بھی تو افسوس ہے کہ وہ واضح نہ ہو سکے......ان کی حکومت کا دھڑن تختہ کرنے والی خلائی حکومت کے سربراہ نے جس بے تابی سے جنم بھومی کی یاترا کی ہم کم علم اتنے سال بیت جانے کے بعد بھی دورہ مشرف کی کسی افادیت سے باخبر نہ ہو سکے۔پھر اس کے بعد تو ہمارے صدر مشرف نے بھارت کو مذاکرات شروع کرنے کے نام پر اتنی تجاویز دیں کہ ان کو منتیں بھی کہا جائے تو شائد غلط نہ ہو لیکن بنیا بڑے نخرے دکھا کر تھوڑا تھوڑا امانتا رہا اور کچھ باپردہ اور کچھ بے پردہ مذاکرات شروع ہو گئے لیکن وطن عزیز میں جمہوری حکومت شروع ہوتے ہی میریٹ ہوٹل میں پاکستان کا سب سے خوفناک دھماکہ ہو گیا جس میں بیسیوں جانیں ضائع ہو گئیں۔اس دھماکے کا کھرا اخبارات انہی دنوں نکالتے نکالتے بھارت تک لے جانے میں شاید کامیاب ہو ہی جاتے لیکن ہمارے حکمرانوں کی نشۂ اقتدار کی مستیوں کے باعث عوام کی یہ آواز میڈیا سے ہم آہنگ نہ ہو سکی۔لیکن ممبئی میں ہونے والے ڈرامائی دھماکے نے بھارتی بنیاؤں کے تیور اور لہجے ہی تبدیل کر ڈالے اس نے پاکستان میں بعض رفاہی جماعتوں کے راہ نماؤں اور کارکنوں پر الزام لگا کر اقوام متحدہ کے ذریعے ان کی گرفتاری اور ان کی جماعتوں پر پابندی لگانے جیسے ناروا تقاضے شروع کر دیے وہ تقاضے ہماری حکومت کچھ کسی عنوان سے اور کچھ کسی عنوان سے تسلیم کرتی رہی اور اب جب اس کو دلائل اپنے تک پہنچتے نظر آئے تو اس نے پاکستان میں ایک طرف دہشت گردانہ حملوں کی یلغار کر دی اور دوسری طرف ''امن مذاکرات'' کا ڈول ڈالنا شروع کر دیا اور ہماری ''دریا دلی'' ''سادہ لوحی'' اور مہر ومحبت کی نوبت اس حد تک پہنچ گئی کہ ہمارے صدر گرامی بھارتی وزیر اعظم کو حسب عادت مسکراتے ہوئے دشمن مشترک ہونے کی نوید دینے لگے سبحان اللہ! اور آج ۲۳ جون ۲۰۰۹ء کو اخبارات میں عسکری حکام نے وزیرستان، سوات وغیرہ کی دہشت گرد کاروائیوں میں بھارت اور اسرائیل کے تعاون کے شواہد حکومت کو پیش کر دیے ہیں۔اب جناب صدر کے اس بیان کو تجاہل عارفانہ بھی کہا جا سکتا ہے لیکن عسکری حکام کی تحقیقات میں کوئی دوسری رائے نہیں ہو سکتی کہ زبان خلق ہی نقارۂ خدا ہوتی ہے۔

مسائل ودلائل

قسط نمبر: ۲

عدم سماع موتی کے دلائل

قرآن وسنت کی روشنی میں

(مولانا) خاور رشید بٹ

توجیہ ثالث:

یہاں نفع دینے والے سنانے کی نفی ہے۔یعنی جیسے مردے کسی کی بات سن تو لیتے ہیں لیکن اس سے فائدہ حاصل نہیں کر سکتے۔اسی طرح کفار کی حالت ہے کہ وہ ہدایت کی باتیں سن تو لیتے ہیں لیکن فائدہ نہیں اٹھاتے۔

اوّل:تشبیہ کے چار ارکان ہوتے ہیں:

① ......مشبہ جس کوتشبیہ دی جارہی ہے۔

② ......مشبہ بہ جس کے ساتھ کسی کوتشبیہ دی جارہی ہے۔

③ ......وجہ شبہ جس وجہ سے تشبیہ دی جارہی ہے۔

④ ......اداۃ تشبیہ یعنی ایسا حرف جو تشبیہ پر دلالت کرے۔یہ بسا اوقات حذف بھی کر دیا جاتا ہے۔وہ سبب جس کی وجہ سے تشبیہ دی جارہی ہے مشبہ بہ میں مشبہ کے مقابلے میں زیادہ ظاہر اور زیادہ قوی ہوتا ہے۔ [البلاغۃ الواضحہ، ص:۲۰]

قائلین سماع موتی بھی مانتے ہیں کہ ان آیات میں مردے، مشبہ بہ، کفار مشبہ ہیں اور مذکورہ توجیہ کے مطابق وجہ شبہ عدم نفع والا سماع ہے۔

مذکورہ اصول کے مطابق یہ وجہ شبہ مردوں میں زیادہ ظاہر اور زیادہ قوی ہونی چاہیے۔لیکن جب ہم قرآن وحدیث کا مطالعہ کرتے ہیں۔ ہمیں یہ تو مل جاتا ہے کہ کفار ہدایت کی باتیں سن تو لیتے ہیں لیکن اس سننے سے نفع حاصل نہیں کرتے مگر مردوں کے متعلق یہ بات قطعاً نہیں ملتی یہ محض سماع موتی کے قائلین علماء کے اقوال ہیں۔

جب وجہ شبہ ہی قرآن وحدیث میں مذکور نہیں تو تشبیہ کیسے دی جا سکتی ہے؟ بلکہ اگر غور کیا جائے تو اس توجیہ کے مطابق تشبیہ الٹ ہو جاتی ہے۔اس کی وضاحت کرتے ہوئے شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

سماعت کے قائلین دوسرا جواب یہ دیتے ہیں کہ مردے سنتے تو ہیں لیکن سننے سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

میرے خیال میں ان لوگوں نے آیت کے اندر تشبیہ کو الٹ دیا ہے اور مشبہ بہ کو مشبہ بنا دیا ہے اس لیے کہ نفع کی قید ان زندہ کفار پر صادق آتی ہے جو سنتے تو ہیں لیکن فائدہ نہیں اٹھاتے جیسا کہ معروف ہے۔لہٰذا یہ کیسے جائز ہوا کہ مردوں کو مشبہ اور کفار کو مشبہ بہ قرار دیا جائے جب کہ مردے بالکل نہیں سنتے۔آیت کے اندر جو تشبیہ بیان کی گئی ہے وہ صحیح ہے اور استفادہ کی قید باطل ہے۔اگر کوئی قطعی دلیل ہوتی کہ مردے مطلقاً سنتے ہیں تو اس قسم کی قید صحیح ہوتی بلکہ اس پر ایمان لانا واجب ہوتا اور نصوص کے درمیان تعارض دور کرنا ضروری ہوتا۔لیکن ایسی کوئی دلیل نہیں بلکہ سارے دلائل اس کے خلاف ہیں۔

[مسئلہ سماع موتی از علامہ نعمان آلوسی ص:۳۲،۳۳، ط: مکتبہ سلفیہ لاہور]

ثانی: ان آیات میں کفار کو نہ سنانے میں بہروں کے ساتھ بھی تشبیہ دی گئی ہے۔اگر مذکورہ توجیہ تسلیم کر لی جائے تو ماننا پڑے گا کہ بہرے بھی سن تو لیتے ہیں مگر نفع حاصل نہیں کر سکتے؟ حالاں کہ ایسا ہرگز نہیں۔

ثالثاً: اگر یہ توجیہ تسلیم کر لیں تو پچھلی توجیہ غلط ثابت ہوتی ہے۔

کیوں کہ پچھلی توجیہ میں یہ بات کہی گئی تھی کہ سنانے کی نفی ہے سننے کی نہیں۔لیکن یہاں یہ بات ہے کہ سنانے سے سن تو لیتے ہیں لیکن فائدہ حاصل نہیں کر سکتے۔

رابعاً: ان آیات میں جیسے کفار کو مردوں اور بہروں کے ساتھ تشبیہ دی گئی اگلی آیات میں انہیں اندھوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔تو اب اگر یہ کہا جائے کہ زندہ کافر دیکھتے تو تھے لیکن فائدہ نہیں اٹھاتے تھے۔اسی طرح نابینا دیکھتا تو ہے لیکن فائدہ نہیں اٹھاتا۔تو یہ بالکل غلط اور فضول بات ہوگی۔

چناں چہ اسی طرح مردوں والی تشبیہ میں بھی یہ معنی نہیں ہوسکتا۔

سادساً: سماع موتی کے قائلین تلقین میت کے قائل ہیں یعنی ان کے نزدیک مردے کو لا الٰہ الا اللہ کی تلقین کرنی چاہیے اور اس کے متعلق مولانا سرفراز خاں صفدر امام ابن قیم رحمہ اللہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں اور قبر میں میت کی تلقین کے جواز کی اس کارروائی پر یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ قدیم سے اس وقت تک لوگوں کا عمل اس پر چلا آرہا ہے اور اگر مردہ اس کو نہ سنتا ہو اور اس سے اس کو فائدہ حاصل نہ ہوتا ہو تو یہ ایک بے فائدہ اور عبث کارروائی ہوگی۔[کتاب الروح، ص:۱۴، بحوالہ مسئلہ سماع موتی، ص:۲۳۳، ط: مکتبہ صفدریہ گوجراں والا]

اسی طرح ص:۲۳۹ پر امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا حوالہ بھی لکھا ہے کہ وہ بھی تلقین میت نفع مند سمجھتے تھے۔

ان حوالوں سے ثابت ہوا کہ سماع موتی کے قائل حضرات تلقین میت کو نفع مند سمجھتے ہیں۔اسی لیے مولانا سرفراز خاں صاحب نے بھی اسے تسلیم کیا ہے۔

اب آئیں مذکورہ توجیح کی طرف اور غور فرمائیں ان حضرات کا تضاد کس طرح واضح ہو رہا ہے۔لامحالہ ان کی توجیہ کے مطابق ایک بات غلط ہے اگر توجیہ درست ہے تو یہ تلقین میت والا مسئلہ درست نہیں اور اگر یہ درست ہے تو توجیہ غلط ہے فیصلہ یہ خود کرلیں۔ثابت ہوا یہ توجیہ ماننے سے کئی خرابیاں لازم آتی ہیں جو قائلین حضرات کو بھی گوارا نہیں۔لہٰذا یہ مفہوم ہی غلط ٹھہرا۔

ثامن: ﴿وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ مَنْ يَشَاءُ وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ﴾

[الفاطر ۳۵: ۲۲]

''اور زندے اور مردے برابر نہیں ہو سکتے اللہ تعالیٰ جس کو چاہے سنوا دیتا ہے اور آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں ہیں۔''

اس آیت میں زندوں اور مردوں کو حقیقت پر رکھا جائے یا تشبیہ مانی جائے کہ زندوں سے مومن اور مردوں سے کافر مراد ہیں۔ہر دو صورتوں میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ زندہ انسان اور مردہ برابر نہیں کیوں کہ زندہ چلتا، پھرتا، پکڑتا، سنتا، پہچانتا ہے۔لیکن مردہ نہ چل سکتا ہے نہ اپنے آپ کو غسل دے سکتا ہے، نہ کسی چیز کو پکڑ سکتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ مرنے کے بعد مردے کا ادراک اور قوت زندوں سے بڑھ جاتی ہے تو اس آیت کا انکار لازم آتا ہے۔کیوں کہ اس میں برابری کی ممانعت ہے۔تو جب برابری نہیں ہوسکتی تو مردہ زندوں سے بڑھ کر کیسے ہوسکتا ہے؟ یہ نظریہ طائفہ بریلویہ کا تھا لیکن دیوبندی حیاتی گروپ کا یہ نظریہ ہے کہ ادراک وشعور فہم وسماع میں مردے اور زندے برابر ہیں۔[سماع موتی، ص:۲۲۱، از مولانا سرفراز خاں صفدر]

اگر یہ مان لیا جائے تو حسب ذیل باتیں لازم آتی ہیں:

اوّل: قرآنِ مجید کی اس آیت کا اور دیگر کئی آیات کا انکار لازم آتا ہے جس میں مردوں اور زندوں کی برابری کی نفی کی گئی ہے۔

ثانی: اگر برابری تسلیم کرلی جائے تو کون سا زندہ انسان ہے جو منوں مٹی کے نیچے دبا ہو اور باہر کی آواز سن سکے یا آواز دینے والے کو پہچان سکے؟ ایسا ممکن نہیں لہٰذا لازم آتا ہے کہ مردے کا ادراک وشعور فہم وسماع زندوں سے زیادہ ہوجاتا ہے جو کہ یہ خود تسلیم نہیں کرتے۔

ثالث: اگر مرنے والا زندگی میں بہرہ تھا، اگر مرنے کے بعد اس کا سننا اور پہچاننا تسلیم کرلیا جائے تو زندہ سننے والے دیکھنے والے سے

بڑھ جائے گا جو کہ یہ خود تسلیم نہیں کرتے اور اگر مرنے کے بعد بھی یہ نہیں سنتا اور نہ پہچانتا ہے تو ان کا مسئلہ سماع موتی والا ختم ہو جاتا ہے یا ان کو تخصیص کرنی پڑے گی کہ زندہ بہرے مرنے کے بعد نہ سنتے ہیں، نہ پہچانتے ہیں۔ تو ایسی صورت میں تخصیص کی دلیل درکار ہوگی جو کہ ندارد ہے۔

رابع: اگر برابری والی بات تسلیم کر لی جائے تو مولانا سرفراز کی یہ عبارت اور نظریہ غلط ٹھہرتا ہے۔ نیند کی حالت میں ادراک وشعور ایک گونہ معطل ہو جاتا ہے اور انسان بے بس اور بے اختیار ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نیند کی حالت میں طلاق وعتاق اور اسلام وردت وغیرہ کسی چیز کا اعتبار نہیں ہوتا اور قبر میں اعادہ روح کے بعد میت کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ میت میں ادراک وشعور اور علم باقاعدہ ہوتا ہے۔

[مسئلہ سماع موتی، ص:۳۲۱،۳۲۲]

غور فرمائیں کہ زندہ سویا ہوا انسان ادراک وشعور سے عاری ہے۔ لیکن مردہ زندوں سے ادراک وشعور میں بڑھ گیا ہے۔ معلوم ہوا برابری یہ بھی تسلیم نہیں کرتے یہ محض ان کی مغالطہ آمیزی ہے۔

خامس: مولانا سرفراز لکھتے ہیں: مردہ یا زندہ دور ہو تو تمام اہل حق کا اس پر اتفاق ہے کہ عادۃً وہ دور سے نہیں سنتا۔ [سماع موتی، ص:۶۴]

مذکورہ آیت کے تحت یہ بات بھی غلط ٹھہرتی ہے کیوں کہ عادۃً زندہ کب مٹی کی اتنی موٹی تہہ کے نیچے سے سن سکتا ہے بلکہ اگر درمیان میں دیوار حائل ہو جائے پھر بھی عادتاً نہیں سن سکتا۔

اب یا تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ مردہ اور زندہ برابر نہیں ایسی صورت میں ان کا سارا تانا بانا بکھر جاتا ہے یا دونوں کو برابر تسلیم کر لیا جائے تو ایسی صورت میں قرآنِ مجید کی مذکورہ آیت اور مشاہدہ کا انکار لازم آتا ہے۔

دلیل نہم:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ یَّمْشُوْنَ بِهَاۤ اَمْ لَهُمْ اَیْدٍ یَّبْطِشُوْنَ بِهَاۤ اَمْ لَهُمْ اَعْیُنٌ یُّبْصِرُوْنَ بِهَاۤ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِهَا قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِیْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴾ [الاعراف ۷: ۱۹۴، ۱۹۵]

''واقعی تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو وہ بھی تم ہی جیسے بندے ہیں سو تم ان کو پکارو پھر ان کو چاہیے کہ تمہارا کہنا کر دیں اگر تم سچے ہو۔ کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلتے ہوں، یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ کسی چیز کو تھام سکیں یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہیں، یا ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے ہیں۔ آپ کہہ دیجیے تم اپنے سب شرکاء کو بلا لو پھر میری ضرر رسانی کی تدبیر کرو پھر مجھ کو ذرا مہلت نہ دو۔''

ایک تو یہ معلوم ہوا کہ مشرکین جن کو پکارا کرتے تھے وہ محض بت ہی نہیں تھے بلکہ ان کے پیچھے باقاعدہ حقیقت تھی۔ بت تو فقط بزرگوں کی عقیدت اور ان کا تصور قائم کرنے کے لیے تراشے گئے تھے۔

گو کہ ان آیات کے پس منظر میں مشرکین مکہ ہیں۔ لیکن اصول

قائلین کے دلائل اور ان کا تجزیہ:

قانونِ الٰہی اور قدرتِ الٰہی میں فرق ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ایک قانون بناتا ہے اور بسا اوقات اس قانون سے کسی چیز کو اپنی قدرت کا اظہار کرتے ہوئے مستثنیٰ قرار دیتا ہے۔ مثلاً فرمایا:

﴿ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ﴾ [الدهر ۷٦: ۲]

''بے شک ہم نے انسان کو ملے جلے نطفے سے پیدا کیا ہے۔''

لیکن آدم علیہ السلام اماں حواء اور عیسیٰ علیہ السلام کو اس قانون سے مستثنیٰ قرار دیا۔ اب اگر کوئی اس استثنائی صورت کو دلیل بنا کر کسی بچے کے متعلق لاکھ دعویٰ کرتا رہے کہ یہ بغیر نطفہ کے ہے تو ہرگز تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ کیوں کہ استثنائی شکل پر قانون نہیں بنتا۔

بالکل اسی طرح جب قرآنِ مجید میں واضح طور پر مردے کا عدم سماع موجود ہے تو جس جس شکل میں اس کا سننا ثابت ہے۔ بس اسے وہیں تک محدود سمجھا جائے گا کیوں کہ یہ اصل قانون سے استثنائی شکلیں ہیں۔ ان باتوں کو سامنے رکھ کر سماع الموتی کو ہر وقت تسلیم کر لینا بے اصولی، بہت بڑی غلط فہمی اور شرک کے چور دروازے کی پشت پناہی

ہے۔ کیوں کہ مردوں کے نام پر خاندانوں کی پرورش کرنے والوں کا سارا کاروبار ہی سماع موتی کی بنیاد پر قائم ہے۔ یہ مزارات، یہ چلے کشیاں، یہ زیارات ومکاشافات، یہ حاجت روائیاں اور مشکل کشائیاں اور تصرفات امور۔ الغرض جتنی اس طبقہ کو اس چور دروازے کی پشت پناہی اور حفاظت کی ضرورت ہے اور کسی مسئلہ کی نہیں۔

اس تفصیل کے بعد قائلین کے دلائل سمجھنے میں کافی آسانی ہوگی ملاحظہ فرمائیں۔

اہل قلیب بدر:

بدر کے میدان میں جو کفار قتل ہوئے تھے انہیں پکڑ کر بدر کے کنویں میں پھینک دیا گیا تھا۔ تو رسولِ اکرم ﷺ نے تین دن کے بعد کنویں پر کھڑے ہوکر بات کی۔ چناں چہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قلیب بدر والوں پر جھانکا اور فرمایا:

وجدتم ما وعد ربکم حقا۔

کیا جو تم سے تمہارے ربّ نے وعدہ کیا تھا اسے سچا پالیا ہے؟

آپ ﷺ سے عرض کیا گیا مردوں سے بات کر رہے ہیں؟ فرمایا: تم ان سے زیادہ نہیں سن رہے لیکن یہ جواب نہیں دے سکتے۔

[صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی عذاب القبر، رقم: ۱۳۸۱]

قائلین سماع موتی کا قانون ہے خواہ بریلوی مکتبہ فکر سے ان کا تعلق ہو یا دیوبندی حیاتی گروپ سے کہ عقائد میں اخبار احاد کام نہیں دیتیں۔ عقیدہ ثابت کرنے کے لیے خبر متواتر مفید ہے۔ [آنکھوں کی ٹھنڈک، ص: ۲۴، ۲۵، دل کا سرور، ص: ۱۲۱، ازمولانا سرفراز خاں صفدر، جاء الحق، ص: ۵۱، ط: گجرات، ازمولانا احمد یار خاں نعیمی بریلوی]

اوّل: اصول کے مطابق اس حدیث کو متواتر ثابت کریں۔

ثانی: خوارق عادات اور معجزات نبوی میں شمار ہوتا ہے کیوں کہ صحیح بخاری میں ہی دوسری جگہ یہ فرمان نبوی ہے کہ انھم الان یسمعون ما اقول لھم کہ میں جو انہیں کہہ رہا ہوں اسے اب وہ سن رہے ہیں۔ [رقم: ۳۶۸۲] لہٰذا عموم پر استدلال درست نہیں۔

ثالث: اس حدیث میں پانچ ایسے قرینے ہیں جو دلالت کرتے ہیں کہ یہ واقعہ خاص اسی وقت کے لیے تھا۔

① ......اِنَّھُمْ بے شک یہ کنویں والے

② ......اَلْاٰنَ اب

③ ......یَسْمَعُوْنَ کنویں والے سن رہے ہیں

④ ......مَا اَقُوْلُ جو میں کہہ رہا ہوں (تمہاری بات نہیں)

⑤ ......لَھُمْ جو کنویں والوں کو میں کہہ رہا ہوں (جو تم سے کہہ رہا ہوں وہ نہیں سن رہے۔)

مطلب یہ ہوا کہ صرف یہ مخصوص کنویں والے مردے سن رہے ہیں عام کی بات نہیں اور یہ بھی صرف اب سن رہے ہیں اس سے پہلے نہ سنا ہے اور نہ اس کے بعد سنیں گے۔ اور صرف اسی بات کو سن رہے ہیں جو میں ان کو کہہ رہاں ہوں تمہاری بات کو نہیں سن رہے اور نہ جو میں تم سے باتیں کر رہا ہوں وہ سن رہے ہیں۔

معلوم ہوا یہ واقعہ خوارق عادات اور معجزات میں شمار ہوتا ہے۔ اس سے عام قانون ثابت کرنا انصاف نہیں۔

رابع: صحیح بخاری اور دیگر احادیث کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب نبی ﷺ نے قلیب بدر والوں سے بات کی تو صحابہ نے حیرانگی کے ساتھ سوال کیا آپ ان سے کیسے بات کر رہے ہیں حالاں کہ مر چکے ہیں بلکہ مسند احمد [ج ۳، ص: ۲۸۷]، البدایہ والنہایہ [ج: ۳، ص: ۲۹۴] پر ہے کہ حضرت عمر نے ﴿اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی﴾ ''بے شک آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے'' آیت بھی پڑھی تھی۔

ایک تو یہ بات ثابت ہوئی کہ مردے سنتے نہیں دوسرا نبی ﷺ نے جو جواب دیا کہ تم ان سے زیادہ نہیں سن رہے یہ بھی دلالت کر رہا ہے کہ صرف اور صرف سماع انہی مردوں کے متعلق ہے نا کہ عام قانون ثابت ہوتا ہے۔ کیوں کہ اگر ایسا ہوتا تو نبی ﷺ فرماتے ہاں مردے بھی سنتے ہیں اور حضرت عمر کی پیش کردہ دلیل ردّ کر دیتے۔ اور فرماتے اس آیت کا مطلب عدم سماع والا ہے ہی نہیں۔ لیکن نبی ﷺ نے اس استدلال کا ردّ نہیں فرمایا بلکہ جواب میں محض قلیب بدر والوں کے سماع کی وضاحت کردی۔

معلوم ہوا یہ واقعہ مخصوص اور استثنائی شکل کا حکم رکھتا ہے۔

خامس: اگر اس حدیث سے عام قانون ثابت مان لیا جائے تو قرآنی آیات سے تعارض لازم آتا ہے جو کہ محال ہے کیوں کہ قرآن بھی وحی اور حدیث بھی۔ اور وحی میں تعارض نہیں ہوسکتا۔ لامحالہ اس واقعہ کو استثنائی صورت اور معجزات وخوارق عادات کے زمرے میں شمار کرنا پڑے گا۔

سادس: دورِ نبوی میں کئی کفار اور مومنین بھی فوت ہوئے۔ لیکن قلیب بدر والوں کے علاوہ کسی مردے سے نبی ﷺ کا بات کرنا اور خطاب کرنا ثابت نہیں۔ اگر یہ عام ہوتا تو صحابہ اس قدر حیرانگی کا اظہار نہ فرماتے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ واقعہ استثنائی صورت کا حکم رکھتا ہے۔

دلیل ثانی: مردے کا جوتیوں کی آواز سننا:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

جب بندے کو اس کی قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ آنے والے دفنا کر واپس چلے جاتے ہیں "انہ یسمع قرع نعالہم" تو وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔ دو فرشتے آ کر اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے سوالات کرتے ہیں۔[صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب المیت یسمع خفق نعالهم، رقم: ١٣٣٨]

تجزیہ: ①...... قائلین سماع موتی کے متفقہ اصول کے مطابق اس روایت سے عقیدے کا مسئلہ اخذ نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ یہ خبر واحد ہے۔

②...... یہ بھی خاص اور استثنائی شکل ہے۔ کیوں کہ اس سے عام قاعدہ ماننے کی صورت میں قرآنِ مجید سے تعارض لازم آتا ہے جو کہ محال ہے۔

③...... بعض علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ فرشتوں کے جلدی آنے سے کنایہ ہے یعنی حدیث میں سماع موتی بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ فرشتوں کا فوراً آنا بیان کرنا مقصود ہے کہ ابھی دفن کرنے والے واپس لوٹتے ہی ہیں اور ان کی آواز بھی سنائی دے رہی ہوئی ہے کہ فرشتے آجاتے ہیں۔

④...... قائلین سماع موتی کے نظریے سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ خاص شکل ہے کیوں کہ جب تک میت کو دفنا نہیں لیا جاتا اس کے سننے کے یہ بھی قائل نہیں۔ چناں چہ مولانا سرفراز خاں صفدر اپنی کتاب سماع موتی کے ٹائٹل پر لکھتے ہیں:

اس میں یہ ثابت کیا گیا ہے جمہور امت عند القبو رسماع الموتی کی قائل ہے۔

مولانا احمد رضا خاں بریلوی سے سوال ہوا:

ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا کا انکار سماع موتی سے رجوع ثابت ہے یا نہیں؟

جواب: نہیں وہ جو فرما رہی ہیں حق فرما رہی ہیں وہ مردوں کے سننے کا انکار فرماتی ہے مردے کون ہیں جسم، روح مردہ نہیں اور بے شک جسم نہیں سنتا، سنتی روح ہے...... روح کو جسم مثالی دیا جاتا اس کے جسم کے کانوں سے سنتی ہے۔[ملفوظات، ص: ۳۱۵، ۳۱۶، ط: مشتاق بک کارنر لاہور]

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ میت جو ابھی گھر میں پڑی ہے وہ سنتی ہے کہ نہیں اگر سنتی ہے تو ان لوگوں کا نظریہ غلط ٹھہرتا ہے جسے ثابت کرنے کے لیے یہ ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں اگر نہیں سنتی جیسا کہ ان حوالوں سے بات واضح ہورہی ہے تو ہمارا مدعیٰ ثابت ہورہا ہے کہ یہ خاص شکل ہے ہر وقت اور ہر بات مردہ نہیں سنتا۔

⑤...... مولانا سرفراز خاں صفدر صاحب کی ایک اور عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ استثنائی اور خاص صورت ہے، لکھتے ہیں:

"ادراک وشعور فہم وسماع میں مردے اور زندے برابر ہیں۔"

[سماع الموتی، ص: ۲۲۱]

کسی بھی زندہ انسان کو مٹی کی اتنی موٹی تہہ کے نیچے دبا دیا جائے جتنی کہ مردے کے اوپر پڑتی ہے۔

اوّلاً: تو وہ دم گھٹ کر مر جائے گا۔

ثانیاً: وہ محض اوپر چلنے والوں کی آہٹ تو محسوس کرلے گا لیکن ان کی پکار نہیں سن سکے گا۔

معلوم ہوا یہ خاص شکل ہے اس سے عام قانون ثابت کرنا درست نہیں۔

⑥......ایک اور دلیل سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ خاص شکل ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وہ حدیث بیان کرتے ہیں جس میں ہے کہ فرشتے جب سوال کر لیتے ہیں تو میت اگر جواب صحیح دے دیتی ہے تو اسے کہا جاتا ہے:

نَمْ کَنَوْمَةِ الْعُرُوْسِ ''دلہن کے سونے کی طرح سو جا۔''

اور اگر جواب نہیں دے سکتی تو اسے عذاب شروع ہو جاتا ہے۔ زمین اس پر تنگ کر دی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے کی جگہ پر چلی جاتی ہیں۔[ترمذی، کتاب الجنائز عن رسول اللہ، باب ما جاء فی عذاب القبر، رقم: ۹۹۱، شیخ البانی نے السلسلة الصحیحة رقم: ۱۳۹۱ پر اسے بیان کیا ہے اور اس کی سند کو جید قرار دیا ہے]

غور فرمائیں فرشتوں کے آنے سے پہلے وہ قدموں کی آہٹ سنتا ہے اور اگر نیک ہے تو اسے سلا دیا جاتا ہے اور ظاہر ہے جو سو جائے کسی آواز کو نہیں سنتا جیسا کہ مولانا سرفراز خاں صاحب لکھتے ہیں:

نیند کی حالت میں ادراک و شعور ایک گونہ معطل ہو جاتا ہے اور انسان بے بس اور بے اختیار ہوتا ہے۔[سماع الموتی، ص:۳۲۱،۳۲۲]

اور اگر بے ایمان ہے تو اس کی سزا شروع ہو جاتی ہے اور ظاہر ہے ایسا فرد جسے موت سے بھی بدتر سزا دی جا رہی ہو نہ وہ کسی کی بات سنتا ہے اور نہ ہی اس قابل رہتا ہے کہ کسی کی مدد کر سکے۔

معلوم ہوا میت کا دفنائے جانے کے بعد جوتوں کی آواز سننا ایک خاص اور استثنائی صورت ہے اسے سامنے رکھ کر عام اصول ثابت کرنا بے اصولی ہے۔



زندگی عمل سے تعبیر ہے

مولانا قاضی عبدالرحیم صاحب

علم وعمل اور اُن کا صحیح صحیح استعمال:

علم کے معنی ہیں جاننا، کیا جاننا؟ ......

یہ جاننا کہ انسان کے لیے کون سی چیز یا کون سا کام مفید ہے، یا کون سی چیز اور کون سا کام مضر ہے تا کہ انسان اپنے لیے نافع چیز اور مفید کام کو اختیار کرے اور تکلیف دینے والی چیز یا کام سے بچے۔

عمل کے معنی ہیں کام، یعنی اس چیز یا کام کو جو اپنے لیے مفید معلوم ہوا اختیار کر لینا، اور جو چیز یا کام نقصان دہ ہو اُسے چھوڑ دینا۔ یہ کر لینا اور چھوڑ دینا دونوں کام ہیں۔ اور اس چیز یا کام کے فائدہ اور نقصان کو جان لینا یہ علم ہے۔

اگر ایک آدمی جانتا ہو کہ فلاں کام یا فلاں چیز میرے لیے نہایت مفید ہے لیکن وہ آدمی اس چیز یا کام کو اختیار نہ کرے تو اُسے یہ جاننا کوئی فائدہ نہ دے گا۔ بلکہ بعد میں جب اس کام یا چیز سے فائدہ حاصل ہونے کا وقت آئے گا تو اسے پچھتانا پڑے گا اور ممکن ہے دوسرے بھی اُسے اس کام یا چیز کے چھوڑ دینے پر ملامت کریں۔ ایسے ہی اگر کوئی شخص یہ جانتا ہو کہ فلاں چیز اور فلاں کام میرے لیے تکلیف دہ ہے، اور پھر وہ اس چیز یا کام کو اختیار کرے تو وہ ضرور تکلیف اٹھائے گا۔ اور یہ جاننا اُس کے کسی کام نہ آئے گا بلکہ خود اس کی ضمیر اور دوسرے سب لوگ اُسے ملامت کریں گے کہ جب تم اس کے نقصان اور تکلیف کو جانتے تھے تو تم نے اُسے کیوں اختیار کیا......؟

ہر کام اور ہر چیز کے متعلق ایک اور بات کا جاننا بھی ضروری ہے۔ وہ یہ کہ اس چیز کو کس طرح استعمال کیا جائے، یا اس کام کو کس طریق پر انجام دیا جائے تا کہ اس سے یقیناً فائدہ حاصل ہو۔ اور اس پر محنت کے ضائع ہونے یا اس سے تکلیف پہنچنے کا احتمال باقی نہ رہے۔ ہم دن رات دیکھتے ہیں کہ بعض دفعہ ایک آدمی کسی مفید چیز یا کام کو نامناسب طریق پر اختیار کرتا ہے۔ تو وہ اس کے لیے بجائے مفید ہونے کے مضر ہو جاتا ہے۔ خواہ وہ چیز یا کام طبعی اور فطری ہی ہو۔

اس سے ظاہر ہوا کہ انسان کی پیدائش سے اصل مقصد اور اس کے نفع ونقصان یا تکلیف وآرام کا حقیقی مدار اس کی محنت اور کام ہے نہ کہ اس کا جاننا۔ اور یہ جاننا صرف اس کام کی درستی اور اصلاح کے لیے مطلوب ہے نہ کہ بذاتِ خود۔ اگر کسی شخص کسی چیز یا کام کے نفع ونقصان اور اس کے طریق استعمال کو پورے طور پر جانتا ہو لیکن مفید کو اختیار یا مضر سے کنارہ کشی نہ کرے تو اس کا انجام سوائے خسارہ کے کچھ بھی نہ ہوگا۔ فطرت انسانی، عقل سلیم، اور شریعت اسلامیہ سب کا یہی متفقہ فیصلہ ہے۔

انسانی فطرت کے اسی احساس کا تقاضا ہے کہ ہر کاشتکار، ہر مزدور اور ہر دستکار اپنے نفع ونقصان کو مدنظر رکھتے ہوئے، صبح سے شام تک محنت اور کوشش میں مصروف رہتا ہے اور اپنے کام میں اپنے اور دوسرے ہم پیشہ اشخاص کے علم اور تجربوں سے فائدہ اٹھاتا اور مستقبل کو درست کرتا ہے۔ عقل سلیم مذکورہ بالا نظریوں میں سے کسی نظریہ کو جھٹلا نہیں سکتی۔

منشائے تخلیق:

شریعت اسلامیہ اس پر مختلف پہلوؤں سے روشنی ڈالتی ہے۔

اوّل: پیدائش انسان کی غرض وغایت، قرآنِ کریم میں سورۂ ہود میں ہے:

﴿ وَ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّ كَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ ﴾ [هود: ٧]

''اللہ وہ ہے، جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں بنایا۔ اور اس کا عرش پانی پر تھا۔ تاکہ تمہیں آزمائے، تم میں سے کون اچھے کام کرتا ہے؟''

اس سے معلوم ہوا کہ ساتوں آسمان اور زمین یعنی یہ عالم دنیا اس لیے پیدا کیا گیا ہے کہ انسان کی آزمائش کی جائے۔ کون اچھے کام کرتا ہے اور کون برے کام کرتا ہے۔ سورۃ الملک میں فرمایا:

﴿ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ ﴾ [الملك: ٢]

''اللہ وہ ہے جس نے موت اور زندگی پیدا کی تاکہ تمہیں آزمائے۔ تم میں سے کون شخص اچھے کام کرتا ہے۔''

سورۃ الذاریات میں ہے:

﴿ وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴾ [الذاريات: ٥٦]

''میں نے جن اور انسان کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔''

عبادت کیا ہے؟ اپنے مالک کے ہر حکم کی بے چون وچرا اور بلا حیل وحجت اپنا فرض سمجھ کر بخوشی تعمیل کرنا۔ یہ تعمیل مختلف کاموں کی تکمیل اور انجام دہی کا دوسرا نام ہے۔ سورہ الدہر میں ہے:

﴿ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖۗ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ﴾ [الدهر: ٢]

''ہم نے انسان کو ملے جلے نطفہ سے پیدا کیا جس کے اجزا میں مختلف اعضا بننے کی استعداد اور قسم قسم کی قوتیں موجود ہیں۔ تاکہ ہم اُسے آزمائیں۔''

نطفہ کے بعض اجزاء سے آنکھیں بنتی ہیں، ان میں بینائی کی قوت رکھ دی۔ بعض اجزا سے کان بنتے ہیں، ان میں سننے کی طاقت رکھ دی۔ بعض سے ہڈیاں بنتی ہیں، ان سے بدن کو قوت بخشی اور مضبوطی حاصل ہوتی ہے۔ بعض سے دماغ اور پٹھے بنتے ہیں، اُن میں غور وفکر اور حس وحرکت کی قوتیں ہیں۔ بعض سے دل، شرائین اور وریدیں بنتی ہیں۔ جن سے بدن میں خون کا دورہ نشو ونما زندگی اور تر وتازگی پیدا ہوتی ہے۔ اور ذلیل پانی کا ایک قطرہ جس کی حقیقت بظاہر کچھ بھی نہیں تھی ایک دیکھتا، سنتا انسان بن جاتا ہے، کیوں؟

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: نبتلیہ تاکہ ہم اس کا امتحان کریں کہ وہ ان سے کیسے کام لیتا ہے۔ اچھے یا برے؟

سورۂ محمد میں جہاد کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ وَ لَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَا نْتَصَرَ مِنْهُمْ وَ لٰكِنْ لِّيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ؕ ﴾ [محمد: ٤]

''اگر اللہ چاہتا تو خود کفار سے بدلہ لے لیتا، تمہیں اُن سے لڑنے کی ضرورت ہی نہ رہتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ ہے کہ تمہیں ایک دوسرے سے آزمائے۔''

اس آیت کریمہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت غیر مسلموں کو فنا اور نیست ونابود کرنا نہیں، بلکہ ان کو دنیا میں قائم رکھ کر ان کے مقابلہ سے مسلمانوں کا امتحان کرنا ہے اور یہ دیکھنا ہے کہ کیا مسلمان بھی ایسے ہی اپنے معبود کی رضامندی میں خرچ کرتے ہیں؟

کفار سے مقابلہ، جنگ، مال کا خرچ اور قربانی سب سے زیادہ اہم کام ہے۔

ان اور ان جیسی بے شمار آیات میں اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان، موت وحیات اور انسان کو مختلف اعضا اور قوتوں سے پیدا کرنے کی علت غائی دنیا میں انسان کے اچھے اور برے کاموں کی جانچ وپڑتال قرار دیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ کسی کام یا چیز کی علت غائی یا اس سے غرض مطلوب

فاعل کے علم ارادہ اور مشیت میں اس کام یا چیز کے وجود سے پہلے ہی موجود ہوتی ہے۔ اور اسی غرض کے حاصل کرنے کے لیے وہ چیز یا کام بعد میں عالم وجود میں لایا جاتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ انسان کی پیدائش سے پہلے ہی اس کے خالق اللہ تبارک وتعالیٰ کے علم ارادہ اور مشیت میں یہی تھا کہ اس دنیا اور انسان کو پیدا کر کے اس میں انسان کے کاموں کا امتحان کیا جائے۔

دوسرا پہلو آدم علیہ السلام کی پیدائش کے واقعہ پر غور کرو، اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے ذکر فرمایا:

﴿ انی جاعل فی الارض خلیفه ﴾

''میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔''

تو فرشتوں نے عرض کیا:

﴿ اتجعل فیها من یفسد فیها ویسفك الدماء ﴾

''کیا تو مین میں اُسے پیدا کرے گا جو اس میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا۔''

فرشتوں نے انسان کے برے کاموں کا ذکر کیا۔ معلوم ہوا کہ فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں لفظ ''خلیفہ'' سے یہی سمجھا کہ وہ زمین میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق اس کے ارادہ ومشیت کو جاری کرے گا اور اللہ تعالیٰ کے افعال حمیدہ کو سرانجام دے گا۔ لیکن اس کے لیے کمال علم کی ضرورت ہے اور انسان جیسی مخلوق میں، جس کی اصل مٹی سے ہے۔

انہوں نے کمال علم کا حصول بعید سمجھا۔ اس لیے یہ تصور کر لیا کہ اس سے بوجہ جہالت افعال ذمیمہ ہی صادر ہوں گے۔ ایسے اعمال کو فرشتوں نے بلحاظ نتائج فساد اور خون ریزی سے تعبیر کیا۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے کمال علم کا مظاہرہ فرمایا اور عملاً فرشتوں کو بتلا دیا کہ ہم خود اس کو اچھے اور برے کام کا علم دیں گے اور اس کی ہدایت وراہنمائی کے کفیل ہوں گے۔ اس سے ثابت ہے کہ زمین میں انسان کی خلافت بلحاظ اعمال کے ہے نہ باعتبار علم کے اور علم صرف اصلاح اعمال کے لیے مطلوب ہے نہ کہ مقصود بالذات۔

تیسرا پہلو: انسان کے پیدا ہونے کے بعد اس کے دنیوی حالات پر نظر ڈالو۔ یہاں وہ اپنے کاموں کی اچھائی اور برائی کے لحاظ سے دو قسموں میں تقسیم نظر آتا ہے۔ سورۂ دہر میں ہے:

﴿ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ﴾ [الدھر:۱۳]

''ہم نے اسے نیکی وبدی، نفع اور نقصان دونوں کی راہیں دکھا دیں ہیں اور وہ یا تو شکر گزار ہے یا ناشکرا۔''

حقیقت شکر:

شکر کیا ہے؟ ہر چیز اور ہر کام کو مالک اور معطی کے حسب منشا استعمال کرنا۔ کام کے طفیل انسان یا مومن ہو گیا یا کافر۔ سورہ تغابن میں ہے:

﴿ هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّ مِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴾ [التغابن:۲]

''اللہ وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا، تم میں سے بعض کافر ہیں اور بعض مومن اور اللہ تمہارے کاموں کو دیکھتا ہے۔''

کفر اور ایمان دل کے کام ہیں اور باقی کام اعضائے ظاہرہ کے۔ سب کو اللہ دیکھ رہا ہے، وہ دیکھتا تو سب کچھ ہے پھر ان اعمال کی تخصیص کیوں؟ اس لیے کہ انسان کی ہستی کا پھل اور نتیجہ اس کے اعمال ہی ہیں۔ اور ہر چیز کا ثمرہ اور نتیجہ ہی ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ سورۂ کہف میں فرمایا:

﴿ وَ قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۫ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۙ ﴾ [الکھف:۲۹]

''کہہ دو، یہ تمہارے ربّ کی طرف سے ہے جو چاہے مان لے اور جو چاہے نہ مانے۔''

یہ ماننا اور نہ ماننا دل کا کام ہے اور اس کے لوازم اور احکام دوسرے اعضاء کے کام ہیں۔

علاوہ ازیں قرآنِ کریم میں کہیں ایمان داروں کے اچھے کام اور

خوبیاں ایک ایک کر کے تفصیل وار ذکر ہو رہے ہیں۔ کہیں کفار، مشرکین، یہود، نصاریٰ، منافق اور فاسق لوگوں کے اعمال بد اور صفات ذمیمہ علیحدہ علیحدہ مفصل بیان ہو رہے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر آپ قرآنِ کریم کو بنظر غور و تدبر پڑھیں، تو جماعتیں اور گروہ تو بجائے خود اس میں ایک ایک شخص کے اعمال و افعال پر بحث نظر آئے گی۔ دنیا میں سب سے زیادہ مشکل اور اہم ترین کام جہاد ہے۔ اور غیر مسلموں سے لڑائی کے متعلق فرمایا:

﴿ وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَ الصّٰبِرِيْنَ ۙ وَ نَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ ﴾ [محمد:٣١]

''ہم ضرور ضرور تمہیں آزمائیں گے جہاں تک کہ تم میں سے مجاہدوں اور صبر کرنے والوں کو الگ کر دیں، اور تمہارے حالات کو پرکھیں گے۔''

آخرت میں کیا کام آئے گا:

چوتھا پہلو: دنیا سے انسان کی رخصت اور آخرت میں داخل ہونے کے بعد تو سوائے نیک و بد کام کے کوئی بھی چیز انسان کے ساتھ دکھائی نہیں دیتی۔ نہ ظلم، نہ عقل، نہ ہنر، نہ مال و دولت، نہ اولاد و اقارب اور نہ احباب وغیرہ۔ وہاں تو ایک ہی طے شدہ فیصلہ ہے:

﴿ **جزاء بما كانوا يعملون** ﴾ [الواقعه:٢٤]

''دنیا میں جو کام کیا کرتے تھے نیک یا بد، صرف ان کی جزا ہے۔''

﴿ **ذالك بما قدمت يداك** ﴾ [الحج:١٠]

''یہ اس کا ثمرہ ہے جو تیرے ہاتھوں نے آگے بھیجا۔''

﴿ **وان ليس للانسان الا ما سعى** ﴾ [النجم:٣٩]

''انسان کے لیے وہی کچھ ہے جو اس نے کمایا۔''

﴿ **وان سعيه سوف يرى** ﴾ [النجم:١٠]

''اس کی کوشش دیکھ لی جائے گی۔''

پانچواں پہلو: علم و عمل کا تقابل، اللہ تعالیٰ نے اس پہلو کو دو طریق سے بیان فرمایا ہے:

اوّل: علم کو ہر جگہ اپنی نعمت، احسان اور فضل شمار فرمایا۔

دوسرا: عطاء علم کو ہر جگہ اپنی طرف منسوب کیا۔

﴿ **علمك ما لم تكن تعلم** ﴾ [النساء:١١٣]

﴿ **الرحمن ○ علم القرآن** ﴾ [الرحمن: ١،٢]

﴿ **علم الانسان ما لم يعلم** ﴾ [العلق:٤]

﴿ **وعلم آدم الاسماء كلها** ﴾ [البقره:٣١]

﴿ **علمناه من لدنا علما** ﴾ [الكهف:٦٥]

﴿ **وقل رب زدني علما** ﴾ [طٰهٰ: ١١٤]

اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور احسان میں انسان کا بہت کم دخل ہے۔ اس لیے مجرد علم پر انسان کو کوئی ثواب یا عذاب نہیں، ہاں اگر علم، عمل کی صورت اختیار کر لے، جیسے پڑھنا یا پڑھانا، یا علم کے ذریعہ انسان اپنے اعمال میں اچھائی یا برائی کی قسم تبدیلی پیدا کر لے تو وہ علم باعث ثواب یا عذاب بن جاتا ہے۔ اس لیے کہ عمل موجب ثواب یا عذاب ہے۔ اور یہ علم اس عمل کے وجود یا اس کی اصلاح وفساد کا سبب بن گیا ہے۔ ورنہ بحیثیت مجرد علم کے اس کا کوئی اثر یا نتیجہ نہیں۔ فرمایا ہے:

﴿ **وهديناه النجدين** ﴾ [البلد:١٠]

''ہم نے انسان کو دونوں راستے بتلا دیئے۔''

﴿ **الذى اعطى كل شيء خلقه ثم هدى** ﴾ [طٰهٰ:٥٠]

''اللہ جس نے ہر چیز کو اس کی فطرت عطا فرمائی، پھر اس کی راہنمائی کی یہ راہنمائی علم ہے۔''

﴿ **انا هديناه السبيل اما شاكرا واما كفورا** ﴾ [الدهر:٣]

قرآنِ کریم اور توریت سے بڑھ کر دنیا میں کوئی علم معلوم نہیں، توریت کے متعلق فرمایا:

﴿ **مثل الذين حملوا التوراة ثم لم يحملوها كمثل الحمار يحمل اسفاراً** ﴾ [الجمعه:٥]

''جن لوگوں کو تورات کا علم دیا گیا پھر انہوں نے اس کے

مطابق اپنے اعمال کو درست نہ کیا، ان کی حالت گدھے کی سی ہے جو کتابیں اٹھائے پھرتا ہے۔''

قرآنِ کریم کی نسبت فرمایا:

﴿ لیضل بہ کثیرا ویھدی بہ کثیرا وما یضل بہ الا الفسقین ﴾ [البقرۃ:۲۶]

اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اکثر کو گمراہ کر دیتا ہے اور اکثر کو ہدایت دے دیتا ہے اور گمراہ صرف نافرمانوں ہی کو کرتا ہے۔ جو اپنے اعمال کو قرآن کی تعلیم کے مطابق درست نہیں کرتے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

القرآن حجة لك او عليك ۔

''قرآنِ کریم تیرے لیے دلیل ہوگا یا تیرے برخلاف دلیل ہوگا۔''

قرآنِ کریم میں ہے:

﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ﴾

[آلِ عمران: ۷]

''اللہ وہ ہے جس نے تم پر کتاب اتاری، کچھ حصہ اس کتاب کا محکم (فیصلہ شدہ) احکام ہیں۔ وہ کتاب کی اصل اور بنیاد ہیں اور بعض متشابہ امور ہیں۔ جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھا پن ہے وہ متشابہ باتوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں۔ جن باتوں کا عمل سے تعلق نہیں یہ لوگ ان باتوں میں بحث وتنازعہ اور فتنہ پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور احکام کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ تاکہ امر و نہی کی پابندی سے اپنے کام درست کریں۔''

فرمایا ان کے دل ٹیڑھے ہیں اس لیے ان کو قرآن سے کوئی فائدہ نہیں۔ یہود کی نسبت فرمایا:

﴿ وَ لَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚۖ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ؗ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴾

[البقرۃ:۸۹]

''جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے کتاب (قرآن) آئی جو اس کتاب کی مصدق ہے جو پہلے سے اُن کے پاس ہے۔ (تورات) حالاں کہ اس سے پہلے (اسی کتابِ قرآن) کے ذریعہ کفار پر فتح کی دعائیں کیا کرتے تھے، جب ان کے پاس وہ کتاب آ گئی جس کو انہوں نے پہچان لیا تو اس سے منکر ہوگئے اور منکروں پر اللہ کی لعنت ہے۔''

یہود اللہ تعالیٰ سے قرآنِ کریم اور رسولِ کریم کے لیے دعا کیا کرتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے دعا قبول کر لی۔ قرآنِ کریم اور رسول اللہ ﷺ آ گئے اور یہود نے ان کو ٹھیک ٹھیک پہچان لیا تو ان کو ماننے اور ان کی تابع داری کرنے سے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس انکار کی وجہ سے یہود پر لعنت کی اور یہود کو تورات قرآنِ کریم اور رسولِ کریم کی معرفت اور علم نے کوئی فائدہ نہ دیا۔ بلکہ یہ علم کفر کی بدولت الٹا لعنت کا سبب بنا۔

علم کے برعکس اللہ تعالیٰ نے عمل کو ہر جگہ انسان کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور اس کو کسی ایک جگہ بھی اپنی طرف نسبت نہیں کیا، نہ کہیں انسانی اعمال کو اپنا فضل، نعمت اور احسان قرار دیا ہے۔ بلکہ انسان کو ان کے اختیار یا ترک پر مختار تسلیم کرتے ہوئے اس ارتکاب یا ترک کو موجب ثواب وعقاب مقرر کیا ہے۔ فرمایا:

﴿ من یعمل مثقال ذرة خیرا یرہ ٥ ومن یعمل مثقال ذرة شرا یرہ ٥ ﴾ [الزلزال: ۷،۸]

''جو شخص ذرہ بھر نیکی کرے گا اور اسے دیکھ لے گا اور جو ذرہ بھر برائی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا۔''

علم ذریعہ ہے مقصود نہیں:

الغرض آپ جس پہلو سے بھی دیکھیں، بلحاظ مقصد ومطلوب از انسان عمل و کام کا درجہ اوّل اہم اور اقدم نظر آئے گا اور علم کا مرتبہ ذرائع

اور وسایط کا اور چوں کہ وسایط وجوداً مقاصد پر مقدم ہوا کرتے ہیں اس لیے علم وجوداً عمل اور کام پر مقدم ہے۔ اس تقدم وجودی کو غلطی سے تقدم فی المرتبہ سمجھ لیا گیا۔

ان حالات میں کتنے رنج اور افسوس کا مقام ہے کہ خیر القرون کے بعد مسلمان ذریعہ اور واسطہ میں الجھ کر رہ گئے ہیں۔ علم کی تحصیل واشاعت میں تعلیم، تصنیف، وعظ، تقریر اور تحریر ہر پہلو سے خدمت کی جارہی ہے اس کے لیے اوقاف ہیں۔ انجمنیں ہیں، جماعتیں ہیں، ادارے ہیں، مدارس ہیں، اور مکاتب ہیں، سکول، کالج، یونی ورسٹیاں اور شاہی عطیے سرمائے اور چندے ہیں۔ لیکن عمل یعنی کام کے سیکھنے، سکھانے، پھیلانے اور اس پر ترغیب دینے دلانے کی طرف کوئی توجہ نہیں۔ اس کے لیے نہ کوئی جماعت ہے نہ انجمن، نہ وقف، نہ ادارہ، نہ مدرسہ، نہ مکتب، نہ کالج، نہ سرمایہ، نہ شاہی عطیے، نہ چندہ، گویا دین اسلام کا عمل اور کام سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ سیاسیات میں، نہ اقتصادیات میں، نہ اخلاق اور عادات میں، نہ عقائد اور عبادات میں، نہ معاشرت اور معیشت میں، نہ تجارت، نہ زراعت، نہ صنعت، نہ حرفت میں غرضیکہ کسی بھی شعبہ زندگی میں اسلام پر عمل اور اس کے مطابق اپنے کاموں اور اعمال کی درستی کا اہتمام موجودہ حالات میں آپ کو ضروری نظر نہ آئے گا۔ اگر آپ اربابِ سیاست سے خطاب کریں تو وہ کہیں گے کہ دین اور مذہب کا سیاسیات سے کیا تعلق۔ اگر اقتصادیات، تجارت، زراعت اور صنعت وحرفت والوں سے آپ کہیں تو حیران ہوں کر کہیں گے کہ ہیں؟ ان میں بھی اسلام کا کچھ دخل ہے؟

اگر آپ اخلاق وعادات کے کاموں میں اسلامی احکام پیش کریں تو کہیں گے کہ عادات واخلاق میں مداخلت کا کیا معنی؟ اس قسم کی پابندیاں اور معاشرت ومعیشت میں مذہب کا دخل انسانی آزادی اور حریت کے خلاف ہے۔ رہ گئے عقاید اور عبادات تو ان کی حیثیت موجودہ وقت میں اضحوکہ اور حبالہ اغراض بنی ہوئی ہے۔ اسلام کے کروڑوں غلاموں اور تابع داروں میں سے شاید آپ کو چندسو یا چند ہزار بھی ایسے نہ ملیں گے جو ہر شعبہ زندگی میں اسلامی احکام اور آئین کے مطابق کام کرتے ہوں اور آج دنیا میں عملی اعتبار سے اسلام غریب، مغلوب اور مقہور ہے۔ انا للہ

اس تمام فساد کی بنیاد یہ ہے کہ مسلمانوں نے اسلامی نقطہ نظر سے عمل اور کام کی حیثیت اور صحیح مرتبہ کو نظر انداز کر دیا اور مجرد علم کو جو اس عمل کا ذریعہ اور مصلح ہے۔ مقصد اور مطلوب اصلی کا درجہ دے دیا ہے۔ اس لیے امر بالمعروف، نہی عن المنکر، تعاون علی البر والتقویٰ اور عدم تعاون علی الاثم والعدوان سب مفقود ہو گئے۔ جن پر عمل اور اس کی اصلاح کا مدار تھا۔ اور علم کی حیثیت ان کتابوں کی سی رہ گئی جو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ارشاد کے مطابق چوپائیوں پر لدی ہیں۔

کیا جماعت اہل حدیث خلقۃ انسان کے اس مقصد کی تحصیل امر بالمعروف، نہی عن المنکر، تعاون علی البر والتقویٰ اور عدم تعاون علی الاثم والعدوان جیسے اہم فرائض کی طرف توجہ کرے گی اور ان کی تعمیل وتکمیل کے لیے اپنی کوششوں کو مجتمع اور مستحکم کرے گی؟ اس کی سب سے زیادہ ذمہ داری اسی جماعت پر عاید ہوتی ہے اور وہی اس کی نسبت اللہ رسول کے ہاں سب سے زیادہ اسلامی علوم کی حامل اور ان پر عمل کی پابند ہے۔ نہ صرف پابند ہے بلکہ وہ اس کے فرائض کے ادا وتحمل کی اہل بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی دست گیری فرمائے، آمین۔



تذکرۂ اسلاف

خاندانِ سعادت قصور

ایک تصحیحی وتاریخی مکتوب

کراچی: ۲۷؍مئی ۲۰۰۹ء

محترم ایڈیٹر صاحب، الاعتصام۔ لاہور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

خاندانِ سعادت قصور پر میرا ایک مضمون جو الاعتصام کی دو قسطوں میں چھپا تھا۔ اس کی بعض اغلاط کی تصحیح محترم مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب نے مضمون کی دوسری قسط کے ساتھ کردی تھی۔ لیکن میاں محمود علی قصور کے سیاسی سوانح کی بعض اغلاط کی نشان دہی محترم ضیاء کھوکھر صاحب (اسلام آباد) نے کی اور پھر میری گزارش پر آں محترم نے ان کی صراحت میں ایک خط بھی تحریر فرما دیا۔ اس عنایت کے لیے میں آں موصوف کا نہایت شکر گزار ہوں۔

یہ تحریر جو الاعتصام میں شائع ہوئی تھی میرے مرتبہ ''مکاتب ابوالکلام آزاد'' میں مولانا محی الدین اوران کے والد گرامی مرتبت مولانا عبدالقادر قصوری (رحمہما اللہ) کے نام آزاد کے خطوط پر اس خاندانِ رفیع الارکان کی تعارفی تحریر ہے اور اس تحریر میں افرادِ خاندان نے حسب مراتب جگہ پائی ہے۔ میاں محمود علی نے اپنے والد گرامی اور برادران عزیز میں اپنے مرتبے اور حصے کے مطابق جگہ پائی۔ اس میں مولانا آزاد سے افراد کے قرب وتعلق کا لحاظ بھی رکھا ہے۔ دیگر افراد کا تعلق مضمون کی تکمیل کی غرض سے تھا۔ مولانا آزاد سے تعلق وارادت کی وجہ سے نہیں، بلکہ خاندان کی مذہبی خصوصیات وامتیازات کے موجودہ دور تک تسلسل کی طرف اشارہ مقصد ہے۔ اس لیے مرحوم میاں صاحب کے تذکرہ وتعارف کے لیے ایک حد تک ہی گنجائش نکالی جاسکتی تھی۔ اگر اس میں اضافہ کیا جاتا تو مضمون کے اجزاء کا تناسب بگڑ جاتا۔

صورتِ حال یہ بنی کہ محترم ضیاء صاحب نے تصحیح اغلاط کے لیے قلم اٹھایا تو میرے مضمون کی ضرورت اور گنجائش سے زیادہ دیگر معلومات اور نہایت اہم سوانحی نکات مرتب ہوگئے اور ایک مستقل مضمون بن گیا۔ میں اپنے مضمون کی سمت وتزئین میں اس سے ضرور استفادہ کروں گا۔ لیکن ضروری امر اس وقت یہ ہے کہ قارئین الاعتصام کے مطالعے کے لیے فوراً پیش کردیا جائے تاکہ مطبوعہ غلطی کے اثر سے ذہن صاف ہوجائے اور زیر نظر مضمون کی اہم معلومات کے مطالعے سے بھی لطف اندوز ہوسکیں۔

خاکسار محترم ضیا کھوکھر صاحب کے لطف وعنایت، طلب علم نوازی اور علم دوستی کا ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہے۔ اور قارئین وشائقین کو ان کے مکتوب گرامی کے مطالعے کی دعوت دیتا ہے۔

[(ڈاکٹر) ابوسلمان شاہ جہان پوری]

محترم جناب ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری صاحب!

السلام علیکم! امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔

ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور میں آپ کا آرٹیکل ''خاندانِ سعادت قصور اور مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ'' میں نے پڑھا ہے۔ اسی سلسلہ میں چند سطور آپ کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں۔

① ...... آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ میاں محمود علی قصوری رحمہ اللہ کا شمار پاکستان پیپلز پارٹی تشکیل دینے والوں میں ہوتا تھا۔ یہ بات خلافِ حقیقت ہے۔ پاکستان پیپلز پارٹی کا قیام ۱۹۶۸ء میں عمل میں آگیا تھا۔ اور میاں محمود علی قصوری صاحب ۳۱ جولائی ۱۹۷۰ء کو پاکستان پیپلز پارٹی میں شامل ہوئے۔ ذوالفقار علی بھٹو نے میاں صاحب کے گھر ۱۰ فیض روڈ

لاہور پریس کانفرنس سے خطاب کیا تھا۔ اسی موقع پر میاں محمود علی قصوری ؒ نے پاکستان پیپلز پارٹی میں شمولیت کا اعلان کیا تھا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے میاں محمود علی قصوری کو فوری طور پر اپنی پارٹی کا مرکزی سینئر وائس چیئرمین مقرر کر دیا تھا۔

(۲)......نومبر ۱۹۶۹ء میں دورِ ایوبی میں ذوالفقار علی بھٹو کو گرفتار کیا گیا تھا تو میاں محمود علی قصوری ؒ اس وقت نیشنل عوامی پارٹی مغربی پاکستان کے صدر تھے۔ میاں محمود علی قصوری ؒ بھٹو صاحب کی گرفتاری کے مقدمہ میں، بھٹو صاحب اور ان کے ساتھیوں کے وکیل تھے۔ اور میاں صاحب کی مساعی سے سب لوگ رہا ہو گئے تھے۔

(۳)......آپ نے ذکر کیا ہے کہ میاں محمود علی قصوری ؒ نے بیسیوں مقدمات کی پیروی وکالت کی فیس وصول کیے بغیر کی تھی۔ میری ذاتی معلومات کے مطابق میاں صاحب نے بیسیوں نہیں سیکڑوں سیاسی لیڈروں اور کارکنوں کے مقدمات کی مفت پیروی کی تھی۔ میاں صاحب نے ۱۹۵۲ء کی تحریک ختم نبوت ﷺ کے دوران مولانا مودودی ؒ اور مولانا عبدالستار نیازی کے مقدمات میں فری قانونی معاونت کی تھی۔ لاہور کی ایک فوجی عدالت میں مولانا مودودی اور نیازی کو سزائے موت کا حکم سنایا گیا تھا۔ اس سزا کے خلاف اپیل کے دوران میاں محمود علی قصوری ؒ نے دونوں حضرات کے مقدمات کی پیروی کی تھی۔ اوران کی سزائے موت کی سزا منسوخ کروائی تھی۔

اس کے علاوہ میاں محمود علی قصوری ؒ نے عبدالولی خان، ارباب سکندر خلیل، مولانا عبدالحمید بھاشانی، حسین شہید سہروردی، غوث بخش بزنجو، عبدالحمید اچکزئی، سردار عطاء اللہ مینگل، سردار خیر بخش مری، حبیب جالب، حسن ناصر، فیض احمد فیض، میاں افتخار الدین کے مقدمات کی مفت پیروی کی تھی۔

(۴)......آپ کے بقول میاں محمود علی قصوری ؒ نے بھٹو کے دور میں عروج پایا۔ یہ بات تاریخی اور واقعاتی طور پر درست نہیں ہے۔ بھٹو صاحب کی پارٹی میں شامل ہونے سے قبل ہی میاں صاحب کی شخصیت بین الاقوامی شہرت حاصل کر چکی تھی۔ ویت نام کی جنگ کے موقع پر لارڈ رسل نے ایک بین الاقوامی ٹربیونل تشکیل دیا تھا۔ اس ٹربیونل نے ویت نام کے جنگی جرائم کی تحقیقاتی رپورٹ تیار کی تھی۔ اس ٹربیونل میں لارڈ رسل نے ایشاء سے واحد رکن میاں محمود علی قصوری ؒ کو بنایا تھا۔

(۵)......میاں محمود علی قصوری ؒ کی بھٹو حکومت سی علیحدگی۔ آپ نے میاں صاحب کی وفاقی (مرکزی) وزارت سے استعفیٰ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ فقرہ تحریر کیا ہے۔ ''پھر پگڑی کو خطرہ لاحق ہوا تو راہ بدل دی۔'' میری ذاتی معلومات کے مطابق میاں محمود علی قصوری ؒ کی بھٹو صاحب کی حکومت سے علیحدگی کی وجوہات سیاسی سے زیادہ ذاتی تھیں۔ میاں محمود علی قصوری ؒ کے خاندان کے شاہانہ اخراجات وزیر کی تنخواہ سے پورے نہ ہوتے تھے (یاد رہے کہ دنوں وفاقی وزیر کو پانچ ہزار روپیہ ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔) اِن دنوں میاں صاحب کے بیٹوں خورشید محمود قصوری اور عمر محمود قصوری نے وکالت یا کسی اور کاروبار (ذریعہ معاش) میں دلچسپی لینا شروع نہ کی تھی۔ خورشید محمود قصوری کی بیگم نے بیکن ہاؤس سکول سسٹم بھی شروع نہیں کیا تھا۔ میاں محمود علی قصوری ؒ اکیلے کمانے والے تھے۔ دو بیٹے دانیال اور بختاور بھی زیر تعلیم تھے۔ اس لیے میاں محمود علی قصوری ؒ نے وزارت سے استعفیٰ دے کر وکالت شروع کر دی۔

(۶)......۱۹۷۳ء کے مستقل دستور کی تیاری اور منظوری سے قبل ایک عبوری آئین قومی اسمبلی نے منظور کیا تھا۔ عبوری آئین اور مستقل آئین کے تیاری کے لیے اراکین قومی اسمبلی پر مشتمل ایک کمیٹی قائم کی گئی تھی۔ اس کمیٹی میں قومی اسمبلی میں موجود تمام جماعتوں کی نمائندگی تھی۔ اس کمیٹی کے سربراہ میاں محمود علی قصوری ؒ تھے۔ میاں صاحب پاکستان پیپلز پارٹی میں شامل ہوئے تو فوری طور پر اُنھیں پارٹی کا سینئر وائس چیئرمین بنا دیا گیا۔ دسمبر ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں لاہور سے جو قومی

اسمبلی سیٹ بھٹو صاحب نے جیتی تھی اس سیٹ پر ضمنی انتخاب میں میاں محمود علی قصوری رحمہ اللہ کو ایم این اے منتخب کروایا تھا۔

دسمبر ۱۹۷۱ء میں پارٹی کی حکومت قائم ہوئی تو میاں صاحب کو مرکزی وزیر قانون اور قومی اسمبلی میں بھٹو صاحب کا نائب (ڈپٹی لیڈر آف ہاؤس) مقرر کیا گیا۔ ان حالات میں پارٹی کے اندر میاں صاحب سے حسد کرنے والوں کا ایک گروہ پیدا ہو گیا تھا۔ اس گروہ نے ایک بیان ذوالفقار علی بھٹو صاحب سے منسوب کر کے اخبارات میں چھپوا دیا کہ پاکستان کا نیا آئین صدارتی طرزِ حکومت پر مبنی ہوگا۔

یہ بیان چھپتے ہی میاں صاحب نے مرکزی وزارت سے استعفیٰ دے دیا۔ بھٹو صاحب بعض سیاسی وجوہات کی بنا پر صدارتی طرزِ حکومت والے اخباری بیان کی تردید نہیں کرنا چاہتے تھے۔ بھٹو صاحب نے سارے مرکزی وزراء کو میاں صاحب کے پاس بھیجا کہ وہ میاں صاحب کو وزارت سے استعفیٰ واپس لینے کے لیے رضا مند کریں۔ میاں صاحب نے استعفیٰ واپس لینے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد بھٹو صاحب اپنی بیگم نصرت بھٹو کے ساتھ میاں صاحب کے گھر گئے اور میاں صاحب کو ملک اور پارٹی کی خدمت کے نام پر استعفیٰ واپس لینے کے لیے کہا۔

میاں صاحب نے اس شرط پر استعفیٰ واپس لینے پر آمادگی کا اظہار کیا کہ ملک کا مستقل دستور وفاقی پارلیمانی طرزِ حکومت پر مبنی ہوگا۔ بھٹو صاحب نے ان کی بات تسلیم کر لی اور میاں صاحب سے کہا کہ آپ استعفیٰ دینے کی خبر کی تردید کر دیں۔ میاں صاحب نے تردید کرنے سے انکار کر دیا اور بھٹو صاحب سے کہا کہ میں نے استعفیٰ دیا ہے اب میرے لیے اس کی تردید کرنا ممکن نہیں ہے۔ آخر کار دونوں کے درمیان یہ طے پایا کہ بھٹو صاحب بطور صدرِ مملکت میاں صاحب کا استعفیٰ نامنظور کر دیں۔ یہ پاکستان کی تاریخ کی واحد مثال ہے کہ صدرِ پاکستان نے کسی وزیر کا استعفیٰ نامنظور کیا ہو۔

اس وقوعہ کے اگلے دن میاں محمود علی قصوری رحمہ اللہ نے وزارت کے دفتر میں پریس کانفرنس میں اعلان کیا کہ پاکستان پیپلز پارٹی کی موجودہ حکومت وفاقی پارلیمانی آئین تیار کرنے اور قومی اسمبلی سے منظور کروانے کے بعد نافذ کرنے کی پابند ہے۔ دو دنوں کے بعد میاں صاحب لاہور تشریف لائے۔ راقم الحروف اور میاں اسماعیل ضیا مرحوم ایم پی اے گوجراں والا نے ان سے ملاقات کی۔ ہم نے میاں صاحب کے سیاسی موقف کی حمایت کی اور میاں صاحب کو مبارک باد دی کہ آپ نے اپنی اصولی بات منوالی ہے۔ میاں صاحب نے فوراً اپنے بیٹے عمر (محمود قصوری) کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ تو کراچی ہائی کورٹ میں اطلاع دے کر آیا ہے کہ میاں صاحب زیر سماعت مقدمات کی پیروی خود کریں گے۔

اس کے بعد میں نے اور اسماعیل ضیاء صاحب نے بیک زبان کہا کہ پھر تو آپ نے حکومت سے الگ ہونے اور وکالت کے پروفیشن میں جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ میاں صاحب خاموش رہے اور انہوں نے ہماری بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ ہم دونوں لاہور سے گوجراں والا واپس آ گئے۔ اسی رات میاں صاحب نے اپنے ایک معاون کے ہاتھ استعفیٰ دوبارہ بھیج دیا۔ بھٹو صاحب لاہور گورنر ہاؤس میں مقیم تھے۔ معاون نے استعفیٰ گورنر ہاؤس میں دینے سے قبل ہی اخبارات کو اس کی کاپیاں جاری کر دیں۔ اس کے بعد بھٹو صاحب کے پاس استعفیٰ منظور کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

⑦...... سیاسی معاملات سے باخبر بے شمار سیاسی لوگوں کا تجزیہ ہے کہ اگر میاں صاحب ان نازک حالات میں استعفیٰ نہ دیتے اور ۱۹۷۳ء کے آئین کی تیاری کے عمل میں شامل رہتے تو یہ امر یقینی تھا کہ ۱۴ اگست ۱۹۷۳ء کو بھٹو صاحب وزیر اعظم کا منصب سنبھالنے کے بعد میاں صاحب کو ملک کا صدر منتخب کروانے کا اہتمام کرتے۔ راقم الحروف کو اس سیاسی تجزیے سے مکمل اتفاق ہے۔

⑧...... مولانا عبدالقادر قصوری مرحوم کے والد کا ایک عجیب وغریب واقعہ میاں محمود علی قصوری رحمہ اللہ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں راقم اور میاں اسماعیل ضیاء مرحوم کو بتایا تھا۔

میاں محمود علی قصوری رحمہ اللہ کے والد مولانا عبدالقادر قصوری بیمار ہو گئے اور ان کو علاج کے لیے قصور کے ہسپتال میں داخل کروا دیا گیا۔ ان کے والد کو دلا ورچیمہ، تحصیل وزیر آباد، ضلع گوجرانوالا میں بیماری کی اطلاع دی گئی۔ انہوں نے ایک دو دن بعد قصور جانے کی تیاری کی۔ ابھی گاؤں سے باہر نکلے ہی تھے کہ ایک بیمار اور زخمی گدھا نظر آیا۔ انہوں نے گدھے کے علاج معالجہ کا فیصلہ کیا اور گدھے کو گھر لے آئے۔ گدھے کو شدید سردی سے بچانے کے لیے لکڑیاں جلائی گئیں۔ زخموں پر مرہم لگایا گیا۔ اور اسے مویشیوں کے کمرے میں باندھ دیا گیا۔

اسی طرح چند دنوں تک گدھے کا علاج جاری رہا۔ علاج معالجہ کے بعد گدھا ٹھیک ہو گیا اور ان کے گھر سے چلا گیا۔ چند دنوں کے بعد قصور سے مولانا عبدالقادر قصوری کا خط آیا جو انہوں نے اپنے والد محترم کو لکھا تھا اور اطلاع دی تھی کہ اب میں بالکل تندرست ہو گیا ہوں اور میں فلاں تاریخ اور فلاں دن ہسپتال سے فارغ ہو کر گھر آ گیا ہوں۔ میاں محمود علی قصوری رحمہ اللہ نے بتایا کہ ان کے دادا نے انہیں بتایا کہ میرے والد عین اسی دن تندرست ہو کر گھر آئے تھے جس دن دلا ورچیمہ میں ان کے دادا کے گھر سے گدھا تندرست ہو کر چلا گیا تھا۔

ڈاکٹر سلمان صاحب!

آپ کی تحریر پڑھنے کے بعد میں نے یہ سطور آپ کو ارسال کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اب یہ امر آپ کی صوابدید پر منحصر ہے کہ آپ اسے شامل اشاعت کر لیں۔ میں اس کی ایک کاپی حضرت مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب کو بھیج رہا ہوں۔

نیک خواہشات اور مخلصانہ جذبات کے ساتھ

والسلام

آپ کا مخلص

ضیاء کھوکھر

ہاؤس نمبر ۱۸، ابن سینا روڈ،

G-10/3، اسلام آباد

❀❀............❀............❀❀

معاشرتی مسائل

مفرور لڑکیوں کا نکاح اور ہماری عدالتیں؟ ①

ایک سلگتا ہوا معاشی مسئلہ

تالیف وترتیب: حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

نوعیت مسئلہ:

بلوغت کے بعد بچی کی شادی ایک اہم مسئلہ ہے، ہے تو نوجوان بچے کی شادی اس سے بھی اہم۔ کیوں کہ دونوں کی بابت نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ بالغ ہونے کے بعد شادی میں تاخیر نہ کی جائے۔ تاہم ہمارے معاشرے میں نوجوان بچی کی شادی کا مسئلہ بہت زیادہ اہم ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے لیے پردے کی پابندی ہے، اپنے ابدی محرموں کے علاوہ دوسرے مردوں سے میل ملاقات پر پابندی ہے، فکر معاش سے اسلام نے اسے آزاد رکھا ہے، اس لیے معاشی جدوجہد کی خاطر بھی اسے باہر جانے اور لوگوں سے میل جول کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ اسلام کی ان تعلیمات کا لازمی اور منطقی نتیجہ ہے کہ اس کی شادی کی تمام تر ذمہ داری اس کے اولیاء پر ہو، وہی اس کے لیے مناسب بر تلاش کریں اور شادی کے جملہ انتظامات کا بندوبست کریں۔

والدین کے دل میں اولاد کی محبت، ایک فطری چیز ہے۔ یہ فطری محبت ہی والدین کو اس بات پر آمادہ کرتی ہے کہ وہ اپنی نوجوان بچی کے لیے مناسب ترین رشتہ تلاش کریں جو ظاہری اور معنوی لحاظ سے موزوں تر ہو۔ والدین سے زیادہ اولاد کا کوئی خیر خواہ نہیں ہوسکتا۔ چناں چہ وہ شادی کے موقعے پر اپنی خیر خواہی کا حق اس طرح ادا کرتے ہیں کہ بہتر سے بہتر رشتہ تلاش کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر وبیشتر اسلامی معاشرے میں شادی کا مسئلہ خیر وخوبی کے ساتھ انجام پاجاتا ہے اور والدین اور اولاد کے درمیان کوئی اختلاف رونما نہیں ہوتا۔

کسی موقعے پر اس فطری داعیے میں کمی کا امکان بھی ہے۔ ہوسکتا ہے والدین بعض دفعہ بچی کی خواہش اور جذبات کے مقابلے میں دوسرے عوامل واسباب کو ترجیح دینا پسند کریں اور یوں نوجوان بچی کا مستقبل تاریک ہوجائے۔ ایسا اگرچہ شاذ ونادر ہی ہوتا ہے، تاہم اس کے وقوع وظہور سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے اسلام نے اس کے سدباب کے لیے نہایت واضح ہدایت دے دی ہے۔ اور وہ یہ کہ اولیاء شادی کرتے وقت بچی کی رضامندی بھی ضرور حاصل کریں۔ اگر ایک رشتہ بچی کو پسند نہیں ہے تو اس کے لیے دوسرا، تیسرا رشتہ تلاش کریں تا آنکہ وہ راضی ہوجائے یا اس کو قائل کر کے راضی کرلیا جائے۔

والدین کو ایسی جگہ شادی کرنے کی قطعاً اجازت نہیں ہے جہاں بچی شادی کرنا پسند نہیں کرتی۔ انہیں جبر کے ذریعے سے شادی کرنے سے سختی کے ساتھ روک دیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ اگر والدین بچی کی رضامندی حاصل کیے بغیر جبر واکراہ کے ذریعے سے اس کی شادی کردیں گے تو شریعت نے نوجوان لڑکی کو ایسا نکاح فسخ کرانے کا اختیار دیا ہے۔ وہ عدالت یا پنچایت کے ذریعے سے ایسا نکاح فسخ کراسکتی ہے۔ نبی ﷺ کے زمانے میں ایک شخص نے اس طرح جبراً اپنی لڑکی کا نکاح، اس کی مرضی کے خلاف کردیا، تو نبی ﷺ نے اسے اختیار دے دیا کہ اگر وہ چاہے تو نکاح فسخ کروالے۔ [صحیح بخاری، کتاب النکاح ودیگر کتب حدیث]

تاہم کسی نوجوان لڑکی کو یہ اجازت حاصل نہیں ہے کہ وہ والدین کی اجازت اور رضامندی کے بغیر، گھر سے راہ فرار اختیار کر کے، کسی عدالت میں یا کسی اور جگہ جا کر از خود کسی سے نکاح رچالے۔ ایسا نکاح

باطل ہوگا، وہ سرے سے منعقد ہی نہیں ہوگا۔نکاح کی صحت کے لیے ولی کی اجازت، رضامندی اور موجودگی ضروری ہے۔ اس اعتبار سے Love Marriage (محبت کی شادی)، Court Marriage (عدالتی شادی)، Secret Marriage (خفیہ شادی) قطعاً ناجائز ہیں۔ایک اسلامی معاشرے میں ان کا کوئی جواز نہیں ہے۔ان تینوں صورتوں میں اسلام کی واضح تعلیمات سے انحراف پایا جاتا ہے۔

اسلام کی مذکورہ تعلیم میں بڑا اعتدال وتوازن ہے،لڑکی کو تاکید ہے کہ والدین نے اسے پالا پوسا ہے، اس کی تعلیم وتربیت کا اہتمام کیا ہے، وہ مستقبل میں بھی جب کہ وہ اپنی نوجوان بچی کو دوسرے خاندان میں بھیج رہے ہیں، اس کے لیے روشن امکانات دیکھ رہے ہیں اور اس کی روشنی میں ہی انہوں نے اس کے مستقبل کا فیصلہ کیا ہے۔ اس لیے وہ اپنے محسن، خیرخواہ اور مشفق وہمدرد والدین کے فیصلے کو رضامندی سے قبول کرلے۔ دوسری طرف والدین کو لڑکی پر جبر کرنے اور اس کی رضا مندی حاصل کیے بغیر اس کی شادی کرنے سے منع کردیا ہے۔اگر کوئی ولی بالجبر ایسا کرنے کی کوشش کرتا ہے تو فقہاء نے ایسے ولی کو ولی عاضل (غیر مشفق) قرار دے کر ولی ابعد کو آگے بڑھ کر اس کی شادی کرنے کی تلقین کی ہے۔ ولی ابعد بھی کسی وجہ سے اس کا اہتمام کرنے سے قاصر ہو تو عدالت یا پنچایت یہ فریضہ سرانجام دے گی۔فقہاء کے اس فیصلے یا تلقین کی بنیاد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی طبرانی اوسط کی یہ حدیث ہے جس کی سند کو حسن قرار دیا گیا ہے:

" لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ مُرْشِدٍ أَوْ سُلْطَانٍ ۔" [فتح الباری، کتاب النکاح، باب السلطان ولی ......]

''ولی مرشد یا سلطان کی اجازت کے بغیر نکاح صحیح نہیں۔''

اس کی دوسری دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث ہے، جس میں ولی کی اجازت کے بغیر کیے گئے نکاح کو باطل کہا گیا ہے۔اس میں آگے یہ الفاظ ہیں:

" فَإِنِ اشْتَجَرُوا فَالسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَّا وَلِيَّ لَهَا ۔"

[ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، بحوالہ ارواء الغلیل: ٦/ ٢٤٣،٤٦٠]

''اگر ولی آپس میں لڑیں تو اس عورت کا ولی سلطان ہے جس کا کوئی ولی نہیں۔''

اس جھگڑے سے مراد ایسا جھگڑا ہے کہ اس کی وجہ سے وہ اس کے نکاح میں رکاوٹ بن جائیں تو ایسے اولیاء کو عاضل (غیر مشفق اور نااہل) قرار دے کر ولی ابعد یا سلطان (قاضی، یا حاکم مجاز) کو ولی بنایا جائے گا۔چناں چہ صاحب سبل السلام فرماتے ہیں:

" وَالْمُرَادُ بِالْإِشْتِجَارِ مَنْعُ الْأَوْلِيَاءِ مِنَ الْعَقْدِ عَلَيْهَا وَهٰذَا هُوَ الْعَضْلُ وَبِهِ تَنْتَقِلُ الْوِلَايَةُ إِلَى السُّلْطَانِ إِنْ عَضَلَ الْأَقْرَبُ، وَقِيلَ بَلْ تَنْتَقِلُ إِلَى الْأَبْعَدِ، وَانْتِقَالُهَا إِلَى السُّلْطَانِ مَبْنِيٌّ عَلَى مَنْعِ الْأَقْرَبِ الْأَبْعَدَ، وَهُوَ مُحْتَمَلٌ وَدَلَّ عَلَى أَنَّ السُّلْطَانَ وَلِيُّ مَّنْ لَّا وَلِيَّ لَهَا لِعَدَمِهِ أَوْ لِمَنْعِهِ وَمِثْلُهُمَا غَيْبَةُ الْوَلِيِّ ۔" [سبل السلام: ٣/ ١١٦، کتاب النکاح]

''اور اولیاء کے جھگڑے سے مراد ان کا عورت کا نکاح کرنے سے انکار کرنا ہے اور یہی عضل ہے جس کی وجہ سے ولایت، سلطان کی طرف منتقل ہوجائے گی اگر ولی اقرب غیر مشفقانہ رویہ اختیار کرے۔بعض کہتے ہیں کہ ولایت، ولی ابعد کی طرف منتقل ہوگی اور سلطان کی طرف ولایت کا انتقال اس بات پر مبنی ہے کہ ولی اقرب، ولی ابعد کو بھی شادی کرنے سے روک دے اور یہ قرین قیاس ہے۔ یہ بات دلالت کرتی ہے کہ سلطان ہر اس عورت کا ولی ہے، جس کا ولی نہ ہو۔ وہ سرے سے ہی نہ ہو یا اس کے نکاح سے روکنے کی وجہ سے اس کو ولی بننے سے روک دیا گیا ہو۔اسی طرح وہ (ولی) غیر موجود ہو۔'' (تینوں صورتوں میں سلطان وقت ولی کے فرائض انجام دے گا۔)

بعض فقہاء نے عضل ولی کے لیے قرآن کریم کی آیت ﴿ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ ﴾ [البقرۃ:۲۳۲] ''تم عورتوں کو (ان کی پسندیدہ جگہوں پر

دوبارہ شادی کرنے سے) مت روکو۔'' سے بھی استدلال کیا ہے، جو بالکل صحیح ہے۔ (اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔)

اس سے واضح ہے کہ لڑکی کی رضامندی کا مسئلہ بھی اتنا اہم ہے کہ اسے نظر انداز کرنے والے ولی کو حق ولایت سے ہی محروم کیا جا سکتا ہے۔ اس مقام پر ضروری ہے کہ جبر اور عضل کا صحیح مفہوم بھی واضح کر دیا جائے تا کہ مسئلے کی نوعیت میں کوئی ابہام نہ رہے۔

جبر اور عضل کا مفہوم:

بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ لڑکی بلا وجہ خود سری کا مظاہرہ کرتی ہے یا جذبات میں آ کر والدین کا فیصلہ ماننے سے انکار کر دیتی ہے، جب کہ والدین کا فیصلہ خیر خواہی اور دور اندیشی پر مبنی ہونے کے علاوہ دین و دنیا کی مصلحتوں کے بھی مطابق ہوتا ہے۔ ایسے موقعوں پر والدین کو اپنی بالغ (مگر عقل و شعور کے اعتبار سے نابالغ) بچی کو سمجھانے میں بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے بلکہ بعض دفعہ اپنے اختیارات بھی بروئے کار لانے پڑتے ہیں۔ یہ جبر نہیں ہے بلکہ خیر خواہی اور حق ولایت کا ناگزیر تقاضا ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو عنداللہ حق نصیحت اور حق ولایت کی ادائیگی میں کوتاہی کے مرتکب قرار پائیں گے۔ کیوں کہ دین و دنیا کی مصلحتوں کو جس طرح سرد و گرم چشیدہ والدین سمجھ سکتے ہیں، ایک نوجوان بچی نہیں سمجھ سکتی۔

جبر، دراصل یہ ہے کہ ولی اپنے مفادات کی خاطر نوجوان بچی کے مفادات اور اس کے مستقبل کو نظر انداز کر دے، جیسے کوئی شخص اپنی نوجوان بچی کا نکاح کسی عمر رسیدہ شخص سے کرنے پر اصرار کرے، یا پیسے کے لالچ میں بے جوڑ شادی کرنا چاہے، یا اور اس قسم کی کوئی صورت ہو جو بچی کے لیے ناپسندیدہ ہو۔ ان صورتوں میں والد یا ولی کو جبر کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

اسی طرح مثلاً اگر کوئی باپ اپنی نوجوان بچی کی شادی اس لیے نہیں کرتا کہ اس کی زمین یا جائیداد تقسیم ہو جائے گی، یا لڑکی اچھی ملازمت کرتی ہے یا گھر میں رہ کر کوئی آمدنی والا کام کرتی ہے تو وہ اس کی شادی نہ کرے تا کہ اس کی آمدنی سے وہ محروم نہ ہو، یا اس لیے شادی نہ کرے کہ وہ اس کی خدمت سے محروم ہو جائے گا۔ ان تمام صورتوں میں ایسے ولی کو عاضل قرار دے کر، ولی ابعد یا حاکم مجاز کے ذریعے سے بچی کی شادی کا انتظام کیا جائے گا۔

یہ ہے مسئلے کی اصل نوعیت۔ اس اعتبار سے جہاں والدین اور نوجوان بچی کے درمیان شادی کے مسئلے میں اختلاف ہو، یا نوجوان بچی گھر سے فرار ہو کر کسی آشنا کے ساتھ شادی کر لے، اور معاملہ عدالت یا پنچایت میں پہنچے تو یہ دیکھنا ضروری ہے کہ بچی کا یہ اقدام واقعی والدین کے ناجائز جبر یا عضل کا نتیجہ ہے؟ یا بچی ناسمجھی، خود سری اور بغاوت کا مظاہرہ کر رہی ہے؟ اگر پہلی صورت ہے تو یقیناً اسے والدین کے ظلم و جبر سے بچا کر اس کی شادی کا، اور اگر شادی کر چکی ہو تو اس کے تحفظ کا اہتمام کرنا چاہیے۔ لیکن دوسری صورت میں وہ قطعاً کسی امداد و تعاون کی مستحق نہیں ہے۔ وہاں والدین کے ساتھ تعاون کرنا ضروری ہے تا کہ معاشرہ انتشار سے محفوظ رہے اور اگر اس نے والدین کی رضامندی کے بغیر از خود کسی سے نکاح کر لیا ہے، جب کہ والدین اس کے سچے خیر خواہ اور ہمدرد ہیں تو ایسے نکاح کو باطل قرار دے کر ایسی لڑکی کو والدین کے سپرد کیا جائے گا۔

آج کل عدالتوں میں نوجوان لڑکیوں کے از خود نکاح کرنے کے جو مقدمات پیش ہو رہے ہیں، ان میں مذکورہ دو صورتوں میں سے کسی ایک صورت کا تعین اور تحقق کیے بغیر، صرف اس بنیاد پر فیصلہ کرنا یا بعض علماء کا فتویٰ دینا کہ نوجوان لڑکی ولایت کی محتاج نہیں ہے، اس لیے یہ نکاح جائز ہے۔ قرآن و حدیث کی رو سے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور جمہور علماء و فقہاء کے مسلک کی روشنی میں بالکل غلط ہے۔ عدالتیں، اگر قرآن و حدیث کو اپنا حَکَم مانتی ہیں تو وہ ایسا فیصلہ دینے کی مجاز نہیں ہیں اور علماء بھی اگر

﴿ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ﴾ [النساء: ۵۹]

''اگر تمہارے درمیان کسی چیز کی بابت جھگڑا ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو۔''

پر صدقِ دل سے عمل کرنا چاہتے ہیں تو انہیں بھی مذکورہ نکاحوں کے جواز کا مطلقاً فتویٰ دینے سے گریز کرنا چاہیے۔ کیوں کہ ولی کی اجازت کے بغیر کوئی نکاح صحیح نہیں ہے۔ ولی، جابر یا عاضل ہوگا تو ولی ابعد یا عدالت نکاح کرائے گی۔ لیکن کسی بالغ لڑکی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ بھاگ کر یا چھپ کر اپنا نکاح خود کر لے۔

مسئلہ ولایت نکاح اور اس کے دلائل:

ولایت نکاح کا یہ مسئلہ یعنی جوان لڑکی کے نکاح کے لیے ولی کی اجازت اور رضامندی ضروری ہے، قرآن وحدیث کی نصوص سے واضح ہے۔ لیکن موجودہ مسلمانوں کے اسلام سے عملی انحراف نے جہاں شریعت کے بہت سے مسائل کو غیر اہم بنا دیا ہے، اس مسئلے سے بھی اغماض واعراض اختیار کیا جا رہا ہے۔ علاوہ ازیں ایک فقہی مکتب فکر کے غیر واضح موقف کو بھی اپنی بے راہ روی کے جواز کے لیے بنیاد بنایا جا رہا ہے۔ اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں مسئلے کی صحیح نوعیت وحقیقت واضح کی جائے، اسی طرح مذکورہ فقہی مسلک سے استدلال کی بے تمکینی کو بھی آشکارا کیا جائے۔

قرآنی دلائل:

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اس مسئلے میں قرآنِ کریم میں واضح طور پر رہنمائی نہیں ملتی۔ لیکن ایسا سمجھنا صحیح نہیں ہے۔ قرآنِ کریم سے استدلال کا جو طریقہ اور اسلوب ہے، اس کی رو سے یقیناً ہمیں قرآنِ کریم سے پوری رہنمائی ملتی ہے۔ قرآنِ کریم میں فرمایا گیا ہے:

﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۚ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا﴾ [البقرة ۲: ۲۲۱]

''تم مشرک عورتوں سے اس وقت تک نکاح مت کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں اور (اپنی عورتوں کو) مشرک مردوں کے نکاح میں مت دو، یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمان مردوں کو حکم فرمایا کہ تم مشرک عورتوں سے نکاح مت کرو۔ ہاں اگر وہ ایمان قبول کر لیں تو اور بات ہے، اس وقت ان سے تمہارا نکاح کر لینا صحیح ہوگا۔ لیکن جب مسلمان عورت کو یہ حکم دینے کی ضرورت محسوس کی گئی کہ وہ بھی مشرک مردوں کے ساتھ نکاح نہ کرے تو پھر اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی بجائے ان کے اولیاء کو خطاب فرمایا اور انہیں یہ حکم دیا کہ وہ مسلمان عورتوں کا نکاح مشرک مردوں سے نہ کریں۔ ہاں اگر وہ اسلام قبول کر کے مومنین میں شامل ہو جائیں تو پھر تم اپنی بچیوں کو ان کے عقد نکاح میں دے سکتے ہو۔ قرآنِ کریم کے اس انداز بیان سے واضح ہے کہ مسلمان عورت اپنے نکاح کا معاملہ از خود طے نہیں کر سکتی۔ اس کے نکاح کا معاملہ اس کے ولی کی وساطت سے ہی انجام پائے گا۔

مفسرین امت نے اس آیت کو اس مسئلے میں ''نص'' قرار دیا ہے۔ چناں چہ امام ابن حیان اندلسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اَلْقِرَاءَةُ بِضَمِّ التَّاءِ، اِجْمَاعٌ مِّنَ الْقُرَّآءِ وَالْخِطَابُ لِلْاَوْلِيَآءِ ...... وَقَدِ اسْتُدِلَّ بِهٰذَا الْخِطَابِ عَلَى الْوِلَايَةِ فِي النِّكَاحِ وَاَنَّ ذٰلِكَ نَصٌّ فِيْهَا۔" [تفسير البحر المحيط: ۲/ ۱٦٥]

''﴿وَلَا تُنْكِحُوْا﴾ بالاتفاق تاء کے ضمے (پیش) کے ساتھ ہے اور یہ عورتوں کے اولیاء سے خطاب ہے اور دوسرا مفعول المومنات محذوف ہے۔ (یعنی مومن عورتوں کا نکاح مشرک مردوں سے نہ کرو) اس خطاب سے استدلال کیا گیا ہے کہ نکاح میں ولی کی اجازت ضروری ہے اور یہ آیت اس مسئلے میں نص کی حیثیت رکھتی ہے۔'' امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فِيْ هٰذِهِ الْآيَةِ دَلِيْلٌ بِالنَّصِّ عَلٰى أَنْ لَّا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ۔" [تفسير قرطبي: ۳/٤۹، طبع بيروت]

''یہ آیت بطور نص اس بات کی دلیل ہے کہ نکاح ولی کی اجازت کے بغیر صحیح نہیں۔''

امام ابو جعفر محمد بن علی بن حسین فرماتے ہیں:

"اَلنِّكَاحُ بِوَلِيٍّ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى۔"

''اللہ کی کتاب میں نکاح ولی کی اجازت کے ساتھ ہے۔''
پھرانہوں نے استدلال کے طور پرآیت ﴿ وَلَا تُـنْـكِـحُـوْا ﴾ پڑھی۔

امام ابن جریرطبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
" كَـانَ أَبُـوجَعْفَرُ مُحَمَّدُ بُنُ عَلِيّ يَقُوْلُ: هٰذَا الْقَوْلُ مِـنَ الـلّٰـهِ تَـعَالٰى ذِكْرُهُ، دَلَالَةٌ عَلٰى أَنَّ أَوْلِيَآءَ الْمَرْأَةِ أَحَـقُّ بِتَزْوِيْجِهَا مِنَ الْمَرْأَةِ ـ" [تـفسير طبری، صفحه مذكور]

''ابوجعفر محمد بن علی کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول اس بات کی دلیل ہے کہ عورت کے اولیاء عورت کا نکاح کرنے کے معاملے میں،عورت کے مقابلے میں زیادہ حق دار ہیں۔''

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
" هٰذَا خِطَابٌ لِلْاَوْلِيَآءِ لَا لِلنِّسَآءِ ـ"
[المحلی: ۹/۴۲۱]

''آیت میں یہ خطاب عورت کے اولیاءکو ہے نہ کہ عورتوں کو۔''

علامہ رشید رضا مصری رحمہ اللہ تفسیر المنار میں فرماتے ہیں:
" وَالتَّـعْبِيْـرُ تَـنْكِحُوْا، وَتُنْكِحُوْا (بِفَتْحِ التَّاءِ وَضَمِّهَا) يُشْـعِـرُ بِـاَنَّ الـرِّجَـالَ هُـمُ الَّـذِيْنَ يُزَوِّجُوْنَ أَنْفُسَهُمْ وَيُـزَوِّجُـوْنَ النِّسَآءَ اللَّوَاتِىْ يَتَوَلَّوْنَ اَمْرَهُنَّ وَأَنَّ الْمَرْأَةَ لَا تُزَوِّجُ نَفْسَهَا بِالْإِسْتِقْلَالِ وَلَا بُدَّ مِنَ الْوَلِيِّ ـ"
[تفسير المنار: ۲/ ۳۵۱]

''پہلے ((تَـنْـكِـحُـوْا)) (تاء کے زبر کے ساتھ) اور پھر ((تُـنْكِحُوْا)) (تاء کے پیش کے ساتھ) تعبیر کرنے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ مرد ہی اپنا اور ان عورتوں کا نکاح کرنے کا اختیار رکھتے ہیں جن کے معاملات کے وہ ذمے دار ہیں اور عورت مرد کی اجازت کے بغیر از خود اپنا نکاح نہیں کرسکتی،اس کے لیے ولی ضروری ہے۔''

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
﴿ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ﴾
اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول:
﴿ وَلَا تَنْكَحُوا الْمُشْرِكَاتِ ﴾
جو (فعل لازم اور متعدی کا) فرق ہے،اس سے بھی بعض سلف نے یہ حجت پکڑی ہے کہ عورت ازخود نکاح نہیں کرسکتی،ان کے نکاح کا بندوبست کرنا اولیاء کی ذمے داری ہے۔'' [فتاویٰ:۳۲/۱۳۲]

قاضی ابن العربی،محمد بن علی بن حسین رحمہ اللہ کا قول:
" اَلنِّكَاحُ بِوَلِيٍّ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى ـ"
''اللہ کی کتاب میں نکاح ولی کی اجازت کے ساتھ ہے۔''
نقل کرکے فرماتے ہیں:
" وهـي مسئـلة بديعة ودلالة صحيحة ـ" [احكام القرآن: ۱/ ۱۵۸]
''یہ انوکھا مسئلہ ہےاور دلالت صحیح ہے۔''

یعنی ولایت نکاح کا مسئلہ انوکھی اہمیت کا حامل ہےاور اس آیت سے ولی کی اجازت کے ضروری ہونے کا اثبات،صحیح ہے۔

اس تفصیل سے واضح ہے کہ زیر استدلال آیت مذکور،مسئلہ زیر بحث میں نص صریح کی حیثیت رکھتی ہے جو مسئلے کے اثبات میں دلیل قاطع سمجھی جاتی ہے۔فقہاء نے قرآن سے استدلال کی چار صورتیں بیان کی ہیں: عبارة الـنـص، اشارة النص، دلالت النص اور اقتضاء النص

چاروں طریقوں سے استدلال صحیح ہے۔اور ان میں سب سے زیادہ واضح پہلی صورت ہے۔یعنی عبارة النص اور اس کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:
" فهو ما سيق الكلام لا جله واريد به قصداً ـ"
[اصول الشاشی: ۲۸، مطبع مجتبائی دهلی]

یعنی بطور قصد کے وہ کلام اس حکم کے اثبات کے لیے ہی لایا گیا ہو۔اور مذکورہ مفسرین اور فقہاء کے اقوال میں اس آیت کو مسئلہ زیر بحث میں نص قرار دیا گیا ہے،جس سے واضح ہے کہ یہ آیت ولایت نکاح کے

اثبات ہی کے لیے ہے۔ اور اگر اسے نص نہ بھی سمجھا جائے، تب بھی اشارۃ النص سے کم تر تو اس کی حیثیت کسی صورت میں نہیں ہے اور اشارۃ النص سے بھی مسئلہ ثابت ہو جاتا ہے۔ اشارۃ النص کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

" فهي ما ثبت بنظم النص من غير زيادة وهو غير ظاهر من كل وجهٍ ولا سيق الكلام لا جله ـ"

[اصول الشاشی]

''جو نص (آیت) کے نظم و نسق سے بغیر کسی (مقدر کی) زیادتی کے ثابت ہو۔ اور وہ ہر طریقے سے واضح ہو اور نہ کلام اس کی وجہ سے لایا گیا ہو۔''

قرآنِ کریم کی دوسری آیت ہے:

﴿ وَاَنْكِحُوا الْاَيٰمٰى مِنْكُمْ ﴾ [النور ٢٤: ٣٢]

''تمہارے اندر جو بے شوہر ہیں، ان کے نکاح کر دو۔''

اس میں بھی باکرہ اور بیوہ عورتوں کے اولیاء سے خطاب کر کے انہیں ان کے نکاح کا بندوبست کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ چناں چہ امام بغوی رحمہ اللہ اس آیت کے ماتحت فرماتے ہیں:

" في الاية دليل على ان تزويج النساء الايامى إلى الاولياء لان الله تعالى خاطبهم به، كما ان تزويج العبيد والإماء إلى السادات ...... وهو قول اكثر اهل العلم من الصحابة ومن بعدهم ـ" [معالم التنزيل، المعروف تفسير البغوى: ٧٣/٣، طبع لاهور]

''آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ بے شوہر عورتوں کی شادی کا بندوبست کرنا اولیاء کی ذمے داری ہے، اس لیے کہ اس معاملے میں اللہ تعالیٰ نے ان ہی سے خطاب فرمایا ہے۔ جیسے غلاموں اور لونڈیوں کی شادی ان کے آقاؤں کی ذمے داری ہے ...... اور یہی اکثر اہل علم صحابہ اور مابعد کے لوگوں کا قول ہے۔''

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" هٰذِهِ الْمُخَاطَبَةُ تَدْخُلُ فِيْ بَابِ السَّتْرِ وَالصَّلَاحِ أَيْ زَوِّجُوْا مَنْ لَّا زَوْجَ لَهٗ مِنْكُمْ، فَإِنَّهٗ طَرِيْقُ التَّعَفُّفِ، وَالْخِطَابُ لِلْاَوْلِيَآءِ وَقِيْلَ لِلْاَزْوَاجِ، وَالصَّحِيْحُ الْاَوَّلُ، اِذْلَوْ اَرَادَ الْاَزْوَاجَ لَقَالَ وَانْكِحُوْا، بِغَيْرِ هَمْزٍ، وَكَانَتِ الْاَلِفُ لِلْوَصْلِ، وَفِيْ هٰذَا دَلِيْلٌ عَلٰى أَنَّ الْمَرْأَةَ لَيْسَ لَهَا أَنْ تَنْكِحَ نَفْسَهَا بِغَيْرِ وَلِيٍّ، وَهُوَ قَوْلُ اَكْثَرِ الْعُلَمَآءِ ـ" [القرطبى: ١٢/ ٢٣٩]

''یہ انداز گفتگو حفاظت اور صلاح کے باب سے ہے یعنی تم میں سے جو بے شوہر ہے اس کی شادی کر دو' اس لیے کہ یہی عفت و پاک دامنی کا راستہ ہے اور یہ خطاب اولیاء سے ہے، بعض کے نزدیک یہ خاوندوں سے خطاب ہے، لیکن صحیح بات پہلی ہی ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اگر خاوندوں سے خطاب کرنا چاہتا تو بغیر ہمزہ (قطعی) کے ﴿ اِنْكِحُوْا ﴾ فرماتا، جس میں الف وصل کے لیے ہوتا ہے (جو ماقبل کے لفظ کے ساتھ ملنے سے گر جاتا اور فعل لازم کی علامت ہوتا ہے) اور اس (فعل متعدی کے لانے) میں اس بات کی دلیل ہے کہ عورت کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ ولی کے بغیر اپنا نکاح کر لے، اور یہی اکثر علماء کی رائے ہے۔''

قاضی ابن العربی رحمہ اللہ نے بھی اس آیت کی تشریح میں تقریباً یہی بات لکھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ((اَنْكِحُوْا)) میں ہمزہ قطعی کا استعمال کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ خطاب اولیاء سے ہے اور یہی بات صحیح ہے نہ کہ ان کی جو اس کا مخاطب خاوندوں کو قرار دیتے ہیں۔

[احکام القرآن: ۱۳۶۴/۳]

امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" وَالْخِطَابُ فِي الْاٰيَةِ لِلْاَوْلِيَآءِ وَقِيْلَ لِلْاَزْوَاجِ، وَالْاَوَّلُ اَرْجَحُ، وَفِيْهِ دَلِيْلٌ عَلٰى اَنَّ الْمَرْأَةَ لَا تَنْكِحُ نَفْسَهَا)) [تفسير فتح القدير: ٤/ ٤١ طبع جديد]

''آیت میں خطاب اولیاء سے ہے، بعض کے نزدیک خطاب

خاوندوں سے ہے، لیکن پہلی بات زیادہ راجح ہے اور اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ عورت اپنا نکاح خود نہیں کر سکتی۔''

شیخ محمد طاہر ابن عاشور فرماتے ہیں:

" فَاَمَرَ الْاَوْلِیَآءَ بِاَنَّ یُزَوِّجُوْا اَیَامَاهُمْ ـ" [تفسیر التحریر والتنویر: ۱۸/ ۲۱۵]

''اللہ تعالیٰ نے اولیاء کو حکم دیا کہ ان کے اندر جو بے شوہر ہیں، ان کا نکاح کر دیں۔''

قرآنِ کریم کی تیسری آیت ہے:

﴿ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ یَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ ﴾ [البقرۃ ۲: ۲۳۲]

''جب تم عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو تم ان کو اپنے (سابقہ) خاوندوں سے نکاح کرنے سے مت روکو۔''

امام ابن کثیر رحمہ اللہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ

''یہ آیت اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو اپنی بیوی کو ایک طلاق یا دو طلاقیں دے دے، پھر اس کی عدت پوری ہو جائے تو خاوند اس سے (دوبارہ) شادی یا رجوع کرنا چاہے اور عورت بھی اس پر رضامند ہو، لیکن اس کے اولیاء اس کو ایسا کرنے سے روک دیں، تو اللہ تعالیٰ نے اولیائے عورت کو اس طرح عورت کو (شادی کرنے سے) روکنے سے منع فرما دیا۔ امام مسروق، ضحاک، ابراہیم نخعی، امام زہری رحمۃ اللہ علیہم نے بھی کہا ہے کہ یہ آیت اسی مسئلے میں نازل ہوئی ہے۔ اور ان لوگوں نے جو یہ بات کہی ہے، آیت کے ظاہری مفہوم کے عین مطابق ہے اور اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ عورت یہ اختیار نہیں رکھتی کہ وہ اپنا نکاح خود کر لے، بلکہ نکاح کے لیے ولی کا ہونا ضروری ہے، جیسا کہ امام ترمذی اور امام ابن جریر طبری نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے۔''

[ابن کثیر: ۱/۲۸۲]

اور امام شافعی رحمہ اللہ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

''میں نہیں جانتا کہ آیت اس مفہوم کے علاوہ کسی اور مفہوم کا احتمال بھی رکھتی ہے، اس لیے کہ جو اولیاء روکنے کا سبب بن سکتے ہیں، کیوں کہ نکاح ان ہی کی رضامندی سے پایہ تکمیل کو پہنچتا ہے، ان کو اس بات سے منع کر دیا گیا ہے کہ وہ عورت کو سابقہ خاوند سے شادی کرنے سے روک دیں۔ اور خاوند جب عورت کو طلاق دے دے، پھر اس کی عدت گزر جائے تو اس کے لیے اس امر کا کوئی راستہ ہی نہیں رہتا کہ وہ عورت کو روک سکے اور اگر اس کی عدت نہیں گزری ہے تو عورت کے لیے کسی اور سے نکاح کرنا ہی حرام ہے۔ جب کہ وہ (سابقہ خاوند) اپنے نفس سے اسے نہیں روک رہا ہے۔ اور یہ قرآن میں جو کچھ ہے اس سے بالکل واضح ہے کہ عورت کے مقابلے میں ولی کا حق فائق ہے اور ولی پر فرض ہے کہ جب عورت رضامند ہو تو اسے دستور کے مطابق نکاح کرنے سے نہ روکے۔ [کتاب الام، باب لا نکاح الا بولی: ۱۲/۵، طبع: مصر]

گویا امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ آیت نکاح کے اثبات میں واضح ترین ہے۔ امام ابن جریر طبری فرماتے ہیں:

" وَفِیْ هٰذِهِ الْاٰیَةِ الدَّلَالَةُ الْوَاضِحَةُ عَلٰی قَوْلِ مَنْ قَالَ لَا نِكَاحَ اِلَّا بِوَلِیٍّ ـ" [تفسیر طبری: ۲/ ٤٨٨]

''اس آیت سے صاف واضح ہے کہ ان لوگوں کی رائے صحیح ہے جو کہتے ہیں کہ ولی کے بغیر نکاح کرنا جائز نہیں۔''

امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" وَفِی الْاٰیَةِ دَلِیْلٌ عَلٰی اَنَّ الْمَرْاَةَ لَا تَلِیْ عَقْدَ النِّكَاحِ، اِذْ لَوْ كَانَتْ تَمْلِكُ ذٰلِكَ لَمْ یَكُنْ هُنَاكَ عَضْلٌ وَلَا لِنَهْیِ الْوَلِیِّ عَنِ الْعَضْلِ مَعْنًی ـ"

[تفسیر معالم التنزیل: ۱/ ۲۱۱]

''یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ عورت عقد نکاح میں ولایت کا کردار ادا نہیں کر سکتی، کیوں کہ اگر وہ اس کا اختیار رکھتی تو اسے وہاں روکا ہی نہیں جاتا اور نہ ولی کو روکنے سے ممانعت کے کوئی معنی ہی رہتے ہیں۔''

آیت مذکورہ کی شانِ نزول:

اس آیت کے نزول کا جو سبب ہے وہ صحیح روایات میں بیان ہوا ہے، جس سے آیت کا وہ مفہوم متعین ہوجاتا ہے جو مذکورہ سطور میں مفسرین نے بیان فرمایا ہے۔ اس لیے روایت کی شانِ نزول کو بھی سامنے رکھنا ضروری ہے۔ چناں چہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں یہ واقعہ بیان فرمایا ہے کہ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ میں نے اپنی ہمشیرہ کا نکاح ایک آدمی سے کیا، کچھ عرصے کے بعد اس نے طلاق دے دی حتی کہ جب عدت گزر گئی تو اس نے پھر نکاح کا پیغام بھیجا، جس پر میں نے اس سے کہا کہ میں نے اس کے ساتھ تیرا نکاح کیا، اس کو تیرا بستر بنایا، تیری عزت کی، لیکن تو نے اسے طلاق دے دی، اور اب پھر نکاح کا پیغام لے کر آ گیا ہے، اللہ کی قسم! اب وہ کبھی تیری طرف نہیں لوٹے گی۔ اور وہ آدمی برا نہیں تھا اور عورت (میری بہن) بھی اس کے ساتھ رجوع کرنا چاہتی تھی، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی، جسے سن کر میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اب میں ان کا آپس میں نکاح کر دوں گا۔ چناں چہ میں نے اس کے ساتھ اس کا (دوبارہ) نکاح کر دیا۔ [صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب من قال لا نکاح الا بولی]

قاضی ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اَلْعَضْلُ، يُتَصَرَّفُ عَلٰى وُجُوْهٍ مَرْجِعُهَا إِلَى الْمَنْعِ وَهُوَ الْمُرَادُ هَاهُنَا، فَنَهَى اللّٰهُ تَعَالٰى اَوْلِيَآءَ الْمَرْأَةِ مِنْ مَنْعِهَا عَنْ نِكَاحِ مَنْ تَرْضَاهُ، وَهٰذَا دَلِيْلٌ قَاطِعٌ عَلٰى أَنَّ الْمَرْأَةَ لَا حَقَّ لَهَا فِيْ مُبَاشَرَةِ النِّكَاحِ، وَإِنَّمَا هُوَ حَقُّ الْوَلِيِّ۔" [احکام القرآن: ۱/۲۰۱]

''عضل کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں، ان سب کا مآل (انجام کار) منع کر دینا ہے، اور یہاں آیت میں یہی مراد ہے۔ اور یہ اس بات کی قطعی (فیصلہ کن) دلیل ہے کہ نکاح کرنے کے معاملے میں عورت کا کوئی حق نہیں، یہ حق صرف ولی کو حاصل ہے۔''

امام قرطبی فرماتے ہیں:

"وَهٰذِهِ الْآيَةُ نَزَلَتْ فِيْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ اِذْ عَضَلَ أُخْتَهُ عَنْ مُرَاجَعَةِ زَوْجِهَا، قَالَهُ الْبُخَارِيُّ، وَلَوْلَا أَنَّ لَهُ حَقًّا فِي النِّكَاحِ مَا نُهِيَ عَنِ الْعَضْلِ۔" [تفسیر قرطبی: ۳/۷۲]

''یہ آیت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی، جب انہوں نے اپنی بہن کو اپنے پہلے خاوند سے دوبارہ نکاح کرنے سے روک دیا تھا، یہ واقعہ امام بخاری نے نقل کیا ہے۔ اگر اس کے بھائی کو نکاح کرانے کا اختیار نہ ہوتا، تو اسے یہ کیوں کہا جاتا کہ وہ نکاح کرنے سے نہ روکے۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''نکاح میں ولی کے شرط ہونے کی بابت علماء کے درمیان اختلاف ہے، جمہور اس کے قائل ہیں اور انہوں نے کہا ہے کہ عورت اپنا نکاح از خود نہیں کر سکتی، انہوں نے اس کا اثبات مذکورہ احادیث سے کیا ہے، اور ان میں سب سے قوی دلیل یہی واقعہ ہے جو قرآنِ کریم کی آیت مذکورہ کے نزول کا سبب ہے، اور یہ آیت اس بات پر کہ نکاح میں ولی کی رضامندی ضروری ہے۔ سب سے واضح دلیل ہے کیوں کہ اگر ایسا نہ ہوتو یہ کہنے کا، کہ ''انہیں مت روکو'' کوئی معنی نہیں رہتے، علاوہ ازیں اگر وہ عورت از خود نکاح کرنے کی مجاز ہوتی تو وہ اپنے بھائی کی محتاج نہ ہوتی۔'' [فتح الباری، باب مذکور]

اور صاحب سبل السلام امیر صنعانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''نبی ﷺ کے زمانے میں صحابہ (سلف) نے اس واقعے سے یہی بات سمجھی ہے کہ اولیاء کی اجازت ضروری ہے اور انہوں نے قسم کا کفارہ ادا کرنے اور نکاح کرنے میں جلدی کی (یہ اشارہ ہے بعض روایات کی رو سے حضرت معقل کے قسم کھا لینے اور پھر اسے توڑ کر اپنی بہن کا نکاح کر دینے کی طرف) اگر اولیاء کا عورتوں پر اختیار ہی نہ ہوتا، تو اللہ تعالیٰ اسے کھول کر بیان فرما دیتا، بلکہ اس کے برعکس اللہ نے متعدد

آیات میں اولیاء کے حق کو تکرار کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور ایک حرف بھی اس امر کی بابت نہیں بولا کہ عورت کو ازخود اپنا نکاح کرنے کا حق حاصل ہے۔ اس سے اس طرف بھی رہنمائی ملتی ہے کہ جن آیات میں نکاح کی نسبت عورتوں کی طرف ہے۔ جیسے

﴿حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا﴾ [البقرۃ ۲: ۲۳۰]

''اس سے مراد بھی ولی کی اجازت سے ان کے نکاح کا انعقاد ہے نہ کہ ازخود نکاح کر لینا۔ اس لیے کہ اگر اس آیت سے نبی ﷺ یہ سمجھتے کہ عورت ازخود اپنا نکاح کر سکتی ہے تو آپ اس آیت کے نزول کے بعد اس عورت کو خود اپنا نکاح کر لینے کا حکم فرما دیتے اور اس کے بھائی پر یہ واضح کر دیتے کہ تجھے اس پر ولایت کا حق نہیں ہے اور اس کے لیے اپنی قسم کا توڑنا اور اس کا کفارہ ادا کرنا جائز نہ ہوتا۔'' [سبل السلام، کتاب النکاح: ۳/۱۱۸]

قاضی ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

" وَقَدْ صَحَّ اَنَّ مَعْقِلَ بْنَ يَسَارٍ كَانَتْ لَهٗ اُخْتٌ فَطَلَّقَهَا زَوْجُهَا، فَلَمَّا انْقَضَتْ عِدَّتُهَا خَطَبَهَا، فَاَبٰى مَعْقِلٌ، فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى هٰذِهِ الْآيَةَ، وَلَوْ لَمْ يَكُنْ لَهٗ حَقٌّ لَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِنَبِيِّهٖ ﷺ لَا كَلَامَ لِمَعْقِلٍ فِيْ ذٰلِكَ۔ " [احکام القرآن: ۱/ ۲۰۱]

''صحیح حدیث ہے کہ معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی بہن کو اس کے خاوند نے طلاق دے دی، جب اس کی عدت گزر گئی تو اس نے پھر نکاح کا پیغام بھیج دیا، جس پر معقل رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا، پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی۔ اگر معقل کو یہ حق (ولایت) حاصل نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ یقیناً اپنے پیغمبر علیہ السلام کو یہ فرماتا کہ معقل کو اس بارے میں کوئی بات کرنے کا حق ہی نہیں ہے۔''

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس آیت میں ان لوگوں کے موقف کی صحت کی واضح دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ ولی عاصب کی اجازت کے بغیر نکاح صحیح نہیں۔ اور یہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے ولی کو عورت کو، اگر وہ نکاح کرنا چاہے، روکنے سے منع کر دیا، اگر عورت کو، ولی کی اجازت کے بغیر ازخود نکاح کرنے کا یا اپنے علاوہ کسی اور عورت کے نکاح کرنے کا اختیار ہوتا تو اس کے ولی کو ایسا کرنے سے روکنے کے کوئی معنی ہی نہ رہتے، اس لیے کہ اس کے لیے تو اس کے روکنے کا کوئی راستہ ہی نہ ہوتا۔ یہ اس طرح کہ اگر عورت کو یہ حق ہوتا کہ جب بھی وہ اپنا نکاح کرنا چاہے یا کسی اور کی وکیل بن کر اس کا نکاح کرنا چاہے تو وہاں کسی کو روکنے کی اجازت ہی نہ ہوتی کہ کوئی روکنے والا اسے روک سکے۔'' [تفسیر طبری: ۲/۴۸۸]

امام قرطبی، شان نزول کی روایات ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

" إِذَا ثَبَتَ هٰذَا فَفِي الْآيَةِ دَلِيْلٌ عَلٰى أَنَّهٗ لَا يَجُوْزُ النِّكَاحُ بِغَيْرِ وَلِيٍّ لِأَنَّ أُخْتَ مَعْقِلٍ كَانَتْ ثَيِّبًا وَلَوْ كَانَ الْأَمْرُ إِلَيْهَا دُوْنَ وَلِيِّهَا لَزَوَّجَتْ نَفْسَهَا وَلَمْ تَحْتَجَّ إِلٰى وَلِيِّهَا مَعْقِلٍ، فَالْخِطَابُ إِذًا فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى ﴿فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ﴾ لِلْأَوْلِيَآءِ وَأَنَّ الْأَمْرَ إِلَيْهِمْ فِي التَّزْوِيْجِ مَعَ رَضَاهُنَّ۔"

[تفسیر القرطبی: ۳/ ۱۵۸]

''جب یہ واقعہ ثابت ہو گیا تو یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ ولی کے بغیر نکاح جائز نہیں۔ اس لیے کہ معقل کی بہن بیوہ تھی، اگر نکاح کرنے کا اختیار، ولی کے بغیر صرف اسے ہی ہوتا تو وہ اپنا نکاح خود کر لیتی، اپنے ولی معقل کی وہ محتاج نہ ہوتی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے قول ﴿فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ﴾ ''ان کو مت روکو'' میں خطاب اولیاء سے ہے اور عورتوں کی شادی کرنے کا اختیار انہی کو حاصل ہے، تاہم وہ اپنا یہ اختیار ان کی رضامندی کے ساتھ ہی استعمال کرنے کے پابند ہیں۔''

[جاری ہے]



وفیات

اپیل برائے دعائے مغفرت

① ......مؤرخہ ۱۰ جون ۲۰۰۹ء کو میرے بڑے بھائی امید خاں اللہ کو پیارے ہوگئے۔ ان کی عمر سو سال کے قریب تھی۔ بڑھاپے کے باوجود بڑے چاک و چوبند تھے۔ کچھ عرصہ سے مختلف بیماریوں میں گھر گئے۔ آخر کار داعی اجل کو لبیک کہا۔

سلفیت ان کے رگ وریت میں رچی بسی تھی، ان پڑھ ہونے کے باوجود بالخصوص نماز کے مسائل میں اچھے اچھے دیوبندی، بریلوی اماموں کو خاموش کرادیتے۔ نماز باجماعت جمعہ اور علماء کے جلسوں اور دروس میں شریک ہونا محبوب مشغلہ تھا۔ بزنس مین تھے، مگر احکام کی بجا آوری میں کوئی کام ان کے آڑے نہ آتا تھا۔ انتہائی محنتی، صادق اور امین تھے۔ آخری سانس سے ایک لمحہ پہلے ان کے الفاظ تھے کہ مغرب کا وقت نکل رہا ہے چلو عشاء کے ساتھ جمع کرلیں گے۔ یہ الفاظ کہتے ہی روح پرواز کرگئی۔

انا للہ وانا الیہ راجعون ......

② ......کچھ عرصہ قبل میرے چچا زاد مولانا حافظ محمد سعید (حویلی لکھا) ایک طویل علالت کے بعد انتقال کرگئے۔

حافظ سعید رحمہ اللہ ایک جید عالم ہونے کے ساتھ ساتھ کمال کے حافظ قرآن تھے۔ تجوید کے ماہر تھے۔ مولانا عبداللہ شہید (کھچوی) ان کے اساتذہ میں سے تھے۔ ان کا درس قرآن اس قدر دلچسپ اور مؤثر تھا کہ جو شخص بھی شامل درس ہوتا وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔

نماز میں ان کا خشوع وخضوع دیدنی تھا۔ حافظ رحمہ اللہ کا سابق مسکن جھوپڑانوالی (فیروز پور) تھا۔ پاکستان آنے کے بعد ان کا تمام وقت دیہات میں گزرا اور ہر سال کے بعد ایک دیہات کے بعد دوسرا دیہات ان کا منتظر ہوتا۔ اور جس دیہات کو چھوڑتے وہاں موحدین کا ایک گروپ ضرور تیار ہوجاتا اور اہل حدیث کی ایک مسجد تیار ہوجاتی۔

ان کا زیادہ وقت ضلع بہاولنگر کے دیہات میں گزرا۔ کچھ وقت سندھ اور گوجراں والا میں گزرا۔

رمضان شریف میں تواتر کے ساتھ تراویح میں قرآنِ پاک سناتے۔ ان کی تجویدی قرأت کا کمال تھا کہ سامعین پر وجد طاری ہوجاتا۔ عربی گرائمر میں ان کو کمال حاصل تھا۔ دو تین ماہ میں ایک عام پڑھا لکھا آدمی قرآنِ پاک کا ترجمہ سیکھ لیتا تھا۔

حافظ رحمہ اللہ ان علماء میں شامل تھے۔ جن کے متعلق کہا گیا ہے کہ کچھ اللہ کے ولی ایسے ہیں کہ نہ ان کے آنے کا کوئی نوٹس لیتا ہے اور نہ ان کے جانے کو کوئی محسوس کرتا ہے۔

حافظ رحمہ اللہ کی خصوصیت تھی کہ مولانا نور محمد رحمہ اللہ سوتروی کی عظیم الشان کتاب ''شہباز رسالہ'' زیادہ تر انہیں زبانی یاد تھا۔ کہتے ہیں کہ توحید کی تشریح اور بدعات کے خلاف یہ کتاب ایک شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے۔ لیکن افسوس کہ یہ کتاب مدت سے نایاب ہے اور آج کے ہمارے اکثر متخرجین اس کتاب کے نام سے واقف نہیں ہیں۔ کاش کوئی سلفی فرد یا ادارہ اسے چھاپ کر ہمارے بھی نوجوان علماء کو اس سے متعارف کرادے۔

تمام قارئین اور محترم علماء سے میری اپیل ہے کہ میرے ان دونوں بھائیوں امید خان اور حافظ سعید رحمہ اللہ کے لیے مغفرت کی دعا کریں اور عنداللہ ماجور ہوں۔

شکریہ

طالب دعا

محمد حسین وہاڑی

ادارہ ''الاعتصام'' پروفیسر صاحب کے غم میں برابر کا شریک ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہے کہ ان دونوں مرحومین کی مغفرت فرمائے۔

اللھم اغفرلھما وارحمھما وعافھم واعف عنھما ۔ (آمین یا رب العالمین)



تبصرۂ کتب

تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے

نسوانی طبعی خون کے احکام

تالیف: الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ
ضخامت: ۸۸صفحات
قیمت: ۱۵۰روپے
ناشر: عبداللہ حنیف، ملتان۔فون:0300-6301040
تبصرہ نگار: محمد سلیم چنیوٹی

زیر تبصرہ رسالہ الشیخ صالح العثیمین رحمہ اللہ سابق مفتی اعظم سعودی عرب کے ایک عربی رسالے ''الدما الطبیعیۃ للنساء'' کا اردو ترجمہ ہے۔

اس رسالے میں عورتوں کے مخصوص ایام کے مسائل ضرور یہ جن سے وہ عموماً کسی کو آگاہ نہیں کر سکتیں (حیض، نفاس، استحاضہ وغیرہ) کو بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ ان ایام میں عورتیں جن امور سے واقف نہیں ہوتیں ان کا بڑی شرح وبسط سے تذکرہ کیا گیا ہے۔ خواتین کے لیے یہ رسالہ بڑا مفید ہے جسے اردو قالب میں جناب حافظ ریاض احمد عاقب استاذ مرکز ابن القاسم الاسلامی ملتان نے ڈھالا ہے۔ ساتھ ساتھ تخریج آیات واحادیث کا فریضہ بھی انجام دیا ہے۔

اس پر نظر ثانی جناب فضیلۃ الشیخ مولانا محمد رفیق اثری حفظہ اللہ جلال پوری نے فرمائی ہے۔

حضرت مولانا محمد رفیق اثری اور استاذ محمد بن عبداللہ (شیخ الحدیث مرکز ابن القاسم الاسلامی ملتان) نے تقاریظ لکھی ہیں۔ کتابچے کو سات فصلوں (حصوں) میں عناوین لگا کر لکھا گیا ہے۔ کتاب کا نام (اردو) کچھ مناسب نہیں لگتا۔ اسے آئندہ اشاعت میں تبدیل کر دیا جائے تو بہتر ہوتا۔

اس کتابچے میں علامہ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ کے حالاتِ زندگی کے نقوش بھی اوّلیں صفحات میں درج ہیں۔ کتاب کے اندرون ٹائٹل پر بعض سیاست دانوں اور صنعت کاروں کے نام پڑھ کر حیرانی سی ہوئی کہ اس کتابچے سے ان حضرات کا کیا تعلق ہے۔

مراجع اور حاصل مطالعہ کتب کا حوالہ آخری صفحات پر درج کیا گیا ہے۔ کاغذ وطباعت عمدہ ونفیس ہیں۔ کارڈ کور ہے۔

ماہنامہ السّنہ، جہلم

مدیر: غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری
ضخامت: ۴۹صفحات
قیمت: فی شمارہ ۲۰روپے، سالانہ ۲۰۰روپے
خط وکتابت کا پتا: شوکت نصیب خان ریلوے ہسپتال روڈ مشین محلّہ نمبر۲ جہلم
تبصرہ نگار: محمد سلیم چنیوٹی

زیر تبصرہ ماہنامہ السّنہ کا یہ آٹھواں شمارہ جلد نمبر ا ہے۔ اس کے فاضل مدیر ایک محقق عالم دین ہیں۔ زیر تبصرہ شمارے میں ان کے قلم سے چار مضامین درج ہیں۔ جب کہ ایک مضمون حافظ محمد یحییٰ صاحب نور پوری نے ترتیب دیا ہے۔

مضامین کے عناوین درج ذیل ہیں:

① ......کوئی صحیح حدیث قرآن کے مخالف نہیں۔
② ......بغیر اجازت ولی نکاح نہیں۔
③ ......عورتوں کا مسجد میں جانا منع نہیں۔
④ ......قبر پر اذان
⑤ ......نماز جنازہ پر ہر تکبیر پر رفع الیدین

مضامین نہایت تحقیقی، مدلل اور مع تخریج کے ہیں۔ کمپیوٹر کمپوزنگ، سفید کاغذ، آرٹ پیپر کور استعمال کیا گیا ہے۔ مذکورہ شمارہ جون ۲۰۰۹ء کی اشاعت ہے۔ اس سے قبل سات شمارے اشاعت پذیر ہو چکے ہیں۔ محقق (تحقیق شدہ) مضامین پڑھنے والے شائقین کے لیے عمدہ رسالہ ہے۔

❀❀............❀............❀❀

ضرورتِ رشتہ

①......لڑکا عمر ۱۹ سال، تعلیم ایف۔اے، کے لیے دینی اور دنیاوی تعلیم سے آراستہ اہل حدیث، شریف گھرانے سے لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔

②......خودمختار، شادی شدہ، بیوی بچے موجود، صاحب روزگار کو عقد ثانی کے لیے دینی و دنیاوی تعلیم سے آراستہ صرف اہل حدیث مسلک سے وابستہ گھرانے سے رشتہ درکار ہے۔ ذات پات کی قید نہیں۔

برائے رابطہ

محمد اخلاق، گلشن راوی لاہور

فون نمبر: 0333-4209306

ضرورتِ رشتہ

اہل حدیث عالم دین، خطیب، شادی شدہ اور صاحب اولاد، عمر ۳۳ سال، ذاتی کاروبار و خودمختار کو عقد ثانی کے لیے ایک ماہر امور خانہ داری، سگھڑ، سلیقہ شعار، خوب صورت و سیرت خاتون کا رشتہ درکار ہے۔

عالمہ فاضلہ، مسلک اہل حدیث کی تبلیغ کی تڑپ رکھنے والی کو ترجیح ہوگی۔ ذات پات کی قید نہیں، سنجیدہ والدین غور و فکر کے بعد رابطہ کریں۔

برائے رابطہ

فون نمبر: 0300-7754236

پروفیسر محمد منور

نہرِ فرہاد ہے اور بیچ رہی ہے شیریں

چار سو نعرۂ ہو ، ہم نفساں تک پہنچے!
حرفِ غیرت اگر اک زندہ جواں تک پہنچے

اک شرر شعلے جگا دیتا ہے جنگل بھر میں!
دل جلا کاش کوئی ہم تپشاں تک پہنچے

نہرِ فرہاد ہے اور بیچ رہی ہے شیریں
حیلے پرویز کے دیکھو تو کہاں تک پہنچے

ندیاں نور کی اغیار خریدیں اپنی
پھر دیئے مٹی کے مفلس کے مکاں تک پہنچے

کیسے ہاتھوں نے مِرے پاک وطن کو لوٹا
اور لوٹیں گے ابھی ...... ہاتھ جہاں تک پہنچے

کیسے خضروں کی عنایت سے جوانانِ جری
چھوڑ کر آبِ رواں ، ریگِ رواں تک پہنچے

فیض سے کس کے ہوئی قوم نظر سے محروم
دیدہ وَر کوئی تو ان دیدہ وراں تک پہنچے

شامل قافلہ دشمن ہیں ، بروں بھی دشمن
قافلہ اہلِ حرم کا ہے ...... کہاں تک پہنچے

اُن پہ کیا گزرے کہ بستے ہیں کنارِ دریا
سطحِ سیلاب جو خطرے کے نشاں تک پہنچے

یہ اذیت ہے جہنم کی اذیت سے فزوں
زورِ جذبات نہ جب زورِ بیاں تک پہنچے

اپنی فریاد خدا جانے کہاں تک پہنچی!
اپنی فریاد خدا جانے کہاں تک پہنچے!